© Copy Rights:
Zahid Javed Rana, Abid Javed Rana
Lahore, Pakistan
www.quran4u.com

پھر فرمایا کہ ان نادان منکروں کو جب کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کے سامنے جھک تو لو، جماعت کے ساتھ نماز تو ادا کر لو تو ان سے یہ بھی نہیں ہو سکتا، اس سے بھی جی چراتے ہیں بلکہ اسے حقارت سے دیکھتے ہیں اور تکبر کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۴۹)

اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔

ان کے لئے جو جھٹلانے میں عمریں گزار دیتے ہیں قیامت کے دن بڑی مصیبت ہو گی۔

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (۵۰)

اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے

پھر فرمایا جب یہ لوگ اس پاک کلام مجید پر بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام کو مانیں گے ؟

جیسے اور جگہ ہے:

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ (۴۵:۶)

اللہ تعالیٰ پر اور اسکی آیتوں پر جب یہ ایمان نہ لائے تو اب کس بات پر ایمان لائیں گے ؟

ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے اسے اس کے جواب میں امنت باللہ وبما انزل کہنا چاہئے۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔

یہ حدیث سورہ قیامہ کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے،

****

وَيۡلٌ يَوۡمَئِذٍ لِلۡمُكَذِّبِينَ (۴۵)

اس دن سچا نہ جاننے والوں کے لئے (افسوس) ہے

كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمۡ مُجۡرِمُونَ (۴۶)

(اے جھٹلانے والو) تم دنیا میں تھوڑا سا کھالو اور فائدہ اٹھالو بیشک تم گنہگار ہو

وَيۡلٌ يَوۡمَئِذٍ لِلۡمُكَذِّبِينَ (۴۷)

اس دن جھٹلانے والوں کے لئے سخت ہلاکت ہے۔

ان جھٹلانے والوں کو دھمکایا جاتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو تم کچھ کھا پی لو، برت برتالو، فائدے اٹھالو، عنقریب یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تم بھی موت کے گھاٹ اترو گے۔ پھر تمہارا نتیجہ جہنم ہی ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ تمہاری بد اعمالیوں اور سیاہ کاریوں کی سزا ہمارے پاس تیار ہے کوئی مجرم ہماری نگاہ سے باہر نہیں، قیامت کو، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری وحی کو نہ ماننے والا اسے جھوٹا جاننے والا قیامت کے دن سخت نقصان میں اور پورے خسارے میں ہو گا۔ اسی کی سخت خرابی ہو گی۔

جیسے اور جگہ ارشاد ہے:

نُمَتِّعُهُمۡ قَلِيلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ (۳۱:۲۴)

دنیا میں ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا دیں گے پھر تو ہم انہیں سخت عذاب کی طرف بے بس کر دیں گے

اور جگہ فرمان ہے:

قُلۡ إِنَّ الَّذِينَ يَفۡتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُونَ

مَتَاعٌ فِي الدُّنۡيَا ثُمَّ إِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكۡفُرُونَ (۱۰:۶۹،۷۰)

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا کامیاب نہیں ہو سکتے۔

دنیا میں یونہی سا فائدہ اٹھالیں پھر ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے، ہم انہیں ان کے کفر کی سزا میں سخت تر عذاب چکھائیں گے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارۡكَعُوا لَا يَرۡكَعُونَ (۴۸)

ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کر لو تو نہیں کرتے

پھر وہ مڑ مڑ کر چن چن کر ان اوصاف کے لوگوں کو میدان حشر میں چھانٹ لے گی اور ایک ایک کو پکڑ کر نکل جائے گی اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی یہ جہنم واصل ہو جائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ (۴۱)

بیشک پرہیز گار لوگ سایوں میں ہیں اور بہتے چشموں میں۔

اوپر چونکہ بدکاروں کی سزاؤں کا بیان ہوا تھا یہاں نیک کاروں کی جزا کا بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ متقی پرہیز گار تھے اللہ کے عبادت گزار تھے فرائض اور واجبات کے پابند تھے۔ اللہ کی نافرمانیوں سے حرام کاریوں سے بچتے تھے وہ قیامت کے دن جنتوں میں ہوں گے، جہاں قسم قسم کی نہریں چل رہی ہیں۔

گنہگار سیاہ بدبو دار دھوئیں میں گھرے ہوئے ہوں گے اور یہ نیک کردار جنتوں کے گھنے ٹھنڈے اور پر کیف سایوں میں بہ آرام تمام لیٹے بیٹھے ہوں گے۔ سامنے صاف شفاف چشمے اپنی پوری پوری روانی سے جاری ہیں۔

وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ (۴۲)

اور ان میووں میں جن کی وہ خواہش کریں

قسم قسم کے پھل میوے اور ترکاریاں موجود ہیں، جسے جب جی چاہے کھائیں، نہ روک ٹوک ہے نہ کمی اور نقصان کا اندیشہ ہے، نہ فنا ہونے اور ختم ہونے کا خطرہ ہے،

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۴۳)

(اے جنتیو!) کھاؤ پیؤ مزے سے اپنے کئے ہوئے اعمال کے بدلے۔

پھر حوصلہ بڑھانے اور دل میں خوشی کو دوبالا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار فرمایا جاتا ہے کہ اے میرے پیارے بندو تم بخوشی اور بافراغت لذیذ پر کیف طعام خوب کھاؤ پیو،

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (۴۴)

یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔

ہم ہر نیک کار پرہیز گار مخلص انسان کو اسی طرح بھلا بدلہ اور نیک جزا دیتے ہیں۔

اور جگہ ہے:

وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا (۱۱:۵۷)

تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے،

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اے میرے بندو نہ تو تمہیں مجھے نفع پہنچانے کا اختیار ہے نہ نقصان پہنچانے کا، نہ تم مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو نہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو،

حضرت ابو عبد اللہ جدلیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس گیا دیکھا کہ وہاں حضرت عبادہ بن صامت، حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں میں بھی بیٹھ گیا، تو میں نے سنا کہ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک چٹیل صاف میدان میں جمع کرے گا آواز دینے والا آواز دے کر سب کو ہوشیار کر دے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج کا دن فیصلوں کا دن ہے تم سب اگلے پچھلوں کو میں نے جمع کر دیا ہے، اب میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی دغا فریب مکر حیلہ کر سکتے ہو تو کر لو سنو! متکبر سرکش منکر اور جھٹلانے والا آج میری پکڑ سے بچ نہیں سکتا اور نہ کوئی نافرمان شیطان میرے عذابوں سے نجات پا سکتا ہے،

حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لو ایک حدیث میں بھی سنا دوں،

اس دن جہنم اپنی گردن دراز کر کے لوگوں کے بیچوں بیچ پہنچا کر بہ آواز بلند کہے گی، اے لوگو تین قسم کے لوگوں کو ابھی ہی پکڑ لینے کا مجھے حکم مل چکا ہے، میں انہیں خوب پہچانتی ہوں کوئی باپ اپنی اولاد کو اور کوئی بھائی اپنے بھائی کو اتنا نہ جانتا ہو گا جتنا میں انہیں پہچانتی ہوں، آج نہ تو وہ مجھ سے کہیں چھپ سکتے ہیں نہ کوئی انہیں چھپا سکتا ہے۔

- ایک تو وہ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا ہو،
- دوسرے وہ جو منکر اور متکبر ہو اور
- تیسرے وہ جو نافرمان شیطان ہو،

وَيۡلٌ يَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِينَ (٣٧)

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

غرض میدان حشر کے مختلف مواقع اور لوگوں کی مختلف مواقع اور لوگوں کی مختلف حالتیں ہیں کسی وقت یہ کسی وقت وہ، اسی لئے یہاں ہر کلام کے خاتمہ پر جھٹلانے والوں کی خرابی کی خبر دے دی جاتی ہے۔

هَذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ جَمَعۡنَاكُمۡ وَالۡأَوَّلِينَ (٣٨)

یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تمہیں اور اگلوں کو سب کو جمع کر لیا

فَإِنۡ كَانَ لَكُمۡ كَيۡدٌ فَكِيدُونِ (٣٩)

پس اگر تم مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو

وَيۡلٌ يَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِينَ (٤٠)

وائے ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

پھر فرماتا ہے یہ فیصلے کا دن ہے اگلے پچھلے سب یہاں جمع ہیں اگر تم کسی چالاکی، مکاری، ہوشیاری اور فریب دہی سے میرے قبضے سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ پوری کوشش کر لو۔

خیال فرمایئے کہ کس قدر دل ہلا دینے والا فقرہ ہے،

پروردگار عالم خود قیامت کے دن ان منکروں سے فرمائے گا کہ اب خاموش کیوں ہو؟ وہ عیاری، چالاکی اور بے باکی کیا ہوئی؟ دیکھو میں نے تم سب کو ایک میدان میں حسب وعدہ جمع کر دیا آج اگر کسی حکمت سے مجھ سے چھوٹ سکتے ہو تو کمی نہ کرو،

جیسے اور جگہ ہے:

يَا مَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡإِنسِ إِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ أَن تَنفُذُوا مِنۡ أَقۡطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضِ فَانفُذُوا ۚ لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلۡطَانٍ (٥٥:٣٣)

اے جن وانس کے گروہ اگر تم آسمان وزمین کے کناروں سے باہر چلے جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ مگر اتنا سمجھ لو کہ بغیر قوت کے تم باہر نہیں جا سکتے

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ (٣٢)

یقیناً دوزخ چنگاریاں پھینکتی ہے جو مثل محل کے ہیں

یہ جہنم اتنی تیز تند سخت اور بکثرت آگ والی ہے کہ اس کی چنگاریاں جو اڑتی ہیں وہ بھی مثل قلعہ کے اور تناوَر درخت کے مضبوط لمبے چوڑے تنے کے ہیں،

كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ (٣٣)

گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔

دیکھنے والے کو یہ لگتا ہے کہ گویا وہ سیاہ رنگ اونٹ ہیں یا کشتیوں کے رسے ہیں یا تانبے کے ٹکڑے ہیں،

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم جاڑے کے موسم میں تین تین ہاتھ کی یا کچھ زیادہ لمبی لکڑیاں لے کر انہیں بلند کر لیتے اسے ہم قصر کہا کرتے تھے،

کشتی کی رسیاں جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو خاصی اونچی قد آدم کے برابر ہو جاتی ہیں، اسی کو یہاں مراد لیا گیا ہے،

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (٣٤)

آج ان جھٹلانے والوں کی درگت ہے۔

هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ (٣٥)

آج (کا دن) وہ دن ہے کہ یہ بول بھی نہ سکیں گے

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ (٣٦)

نہ انہیں معذرت کی اجازت دی جائے گی۔

آج نہ یہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر و معذرت کرنے کی اجازت ملے گی کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی اور ظالموں پر اللہ کی بات ثابت ہو گئی اب انہیں بولنے کی اجازت نہیں، یہ یاد رہے کہ قرآن کریم میں ان کا بولنا مکرنا چھپانا عذر کرنا بھی بیان ہوا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ حجت قائم ہونے سے پہلے عذر معذرت وغیرہ پیش کریں گے جب سب توڑ دیا جائے گا اور دلیلیں پیش ہو جائیں گی تو اب بول چال عذر معذرت ختم ہو جائے گی،

پھر فرمایا کیا ہم نے زمین کو یہ خدمت سپرد نہیں کی؟ کہ وہ تمہیں زندگی میں بھی اپنی پیٹھ پر چلاتی رہے اور موت کے بعد بھی تمہیں اپنے پیٹ میں چھپا رکھے،

وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا (۲۷)

اور ہم نے اس میں بلند اور بھاری پہاڑ بنا دیئے اور تمہیں سیراب کرنے والا میٹھا پانی پلایا۔

پھر زمین کے نہ ہلنے جلنے کے لئے ہم نے مضبوط وزنی بلند پہاڑ اس میں گاڑ دیئے اور بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے رستا ہوا ہلکا زود ہضم خوش گوار پانی ہم نے تمہیں پلایا،

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۲۸)

اس دن جھوٹ جاننے والوں کے لئے وائے اور افسوس ہے۔

ان نعمتوں کے باوجود بھی اگر تم میری باتوں کو جھٹلاتے ہی رہے تو یاد رکھو وہ وقت آ رہا ہے جب حسرت وافسوس کرو گے اور کچھ کام نہ آئے۔

انْطَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (۲۹)

اس دوزخ کی طرف جاؤ جسے تم جھٹلاتے رہے تھے

جو کفار قیامت، جزا سزا اور جنت دوزخ کو جھٹلاتے تھے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ لو جسے سچا نہ مانتے تھے وہ سزا اور وہ دوزخ یہ موجود ہے اس میں جاؤ،

انْطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلٍّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ (۳۰)

چلو تین شاخوں والے تنے کی طرف

لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ (۳۱)

جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے نہ شعلے سے بچا سکتا ہے۔

اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اونچے ہو ہو کر ان میں تین پھانکیں کھل جاتی ہیں، تین حصے ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی دھواں بھی اوپر کو چڑھتا ہے جس سے نیچے کی طرف چھاؤں پڑتی ہے اور سایہ معلوم ہوتا ہے لیکن فی الواقع نہ تو وہ سایہ ہے نہ آگ کی حرارت کو کم کرتا ہے،

ہم نے اسے حقیر اور ذلیل قطرے سے پیدا کیا جو خالق کائنات کی قدرت کے سامنے ناچیز محض تھا، جیسے سورہ یٰس کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ اے ابن آدم بھلا تو مجھے کیا عاجز کر سکے گا میں نے تو تجھے اسی جیسی چیز سے پیدا کیا ہے،

فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ (٢١)

پھر ہم نے اسے مضبوط و محفوظ جگہ میں رکھا

پھر اس قطرے کو ہم نے رحم میں جمع کیا جو اس پانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے اسے بڑھاتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے،

إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ (٢٢)

ایک مقررہ وقت تک۔

مدت مقررہ تک وہ وہیں رہا یعنی چھ مہینے یا نو مہینے،

فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ (٢٣)

پھر ہم نے اندازہ کیا اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں

ہمارے اس اندازے کو دیکھو کہ کس قدر صحیح اور بہترین ہے،

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (٢٤)

اس دن جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہے۔

پھر بھی اگر تم اس آنے والے دن کو نہ مانو گے تو یقین جانو کہ تمہیں قیامت کے دن بڑی حسرت اور سخت افسوس ہو گا۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا (٢٥)

کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟

أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا (٢٦)

زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی

وَيۡلٌ يَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِينَ (١٥)

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

اس دن ان جھٹلانے والوں کے لئے سخت خرابی ہے،

ایک غیر صحیح حدیث میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ وَيۡلٌ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

أَلَمۡ نُهۡلِكِ الۡأَوَّلِينَ (١٦)

کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سے پہلے بھی جن لوگوں نے میرے رسولوں کی رسالت کو جھٹلایا میں نے انہیں نیست و نابود کر دیا،

ثُمَّ نُتۡبِعُهُمُ الۡآخِرِينَ (١٧)

پھر ہم ان کے بعد پچھلوں کو لائے

پھر ان کے بعد اور لوگ آئے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا،

كَذَٰلِكَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِينَ (١٨)

ہم گنہگاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں

اور ہم نے بھی انہیں اسی طرح غارت کر دیا ہم مجرموں کی غفلت کا یہی بدلہ دیتے چلے آئے ہیں،

وَيۡلٌ يَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِينَ (١٩)

اس دن جھٹلانے والوں کے لئے (افسوس) ہے۔

اس دن ان جھٹلانے والوں کی درگت ہو گی،

پھر اپنی مخلوق کو اپنا احسان یاد دلاتا ہے اور منکرین قیامت کے سامنے دلیل پیش کرتا ہے کہ

أَلَمۡ نَخۡلُقكُّمۡ مِّن مَّآءٍ مَّهِينٍ (٢٠)

کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے (منی سے) پیدا نہیں کیا۔

جیسے اور جگہ ہے:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (۵:۱۰۹)

جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ارشاد فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں تو ہی پوشیدہ باتوں کو پورا جاننے والا ہے۔

جیسے اور جگہ ہے:

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (۳۹:۶۹)

زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی نامہ اعمال دے دیئے جائیں گے نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کئے جائیں گے اور کسی پر ظلم نہ ہو گا،

لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ (۱۲)

کس دن کے لئے (ان سب کو) مؤخر کیا گیا

لِيَوْمِ الْفَصْلِ (۱۳)

فیصلے کے دن کے لئے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان رسولوں کو ٹھہرایا گیا تھا اس لئے کہ قیامت کے دن فیصلے ہوں گے، جیسے فرمایا:

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۱۴:۴۷،۴۸)

آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ اللہ اپنے نبیوں سے وعدہ خلافی کرے گا اللہ بڑا ہی غالب اور بدلہ لینے والا ہے

جس دن زمین اس زمین کے سوا اور ہی بدل دی جائے گی اور آسمان بھی، اور سب کے سب اللہ واحد غلبے والے کے روبرو ہونگے

اسی کو یہاں فیصلے کا دن کہا گیا،

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ (۱۴)

تجھے کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟

پھر اس دن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا میرے معلوم کرائے بغیر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم بھی اس دن کی حقیقت سے باخبر نہیں ہوسکتے،

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ (۸)

پس جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے

اس دن ستاروں کا نور اوران کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی جیسے فرمایا:

وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ (۸۱:۲)

اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے

اور جگہ فرمایا:

وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ (۸۲:۲)

جب ستارے جھڑ جائیں گے۔

وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ (۹)

اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔

وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (۱۰)

اور جب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑا دیئے جائیں گے۔

اس دن ستارے بے نور ہو کر گر جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے یہاں تک کہ نام نشان بھی باقی نہ رہے گا، جیسے اور جگہ ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا (۲۰:۱۰۵)

وہ آپ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں، تو آپ کہہ دیں کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔

اور فرمایا:

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا (۱۸:۴۷)

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین کو تو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا اور تمام لوگوں کو ہم اکٹھا کریں گے ان میں سے ایک بھی باقی نہ چھوڑیں گے

وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ (۱۱)

اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر لایا جائے گا۔

بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ الْمُرْسَلَاتِ سے مراد ہوائیں ہے، جیسے اور جگہ فرمان باری ہے،

وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ (۱۵:۲۲)

ہم نے ہوائیں چلائیں جو ابر کو بوجھل کرنے والی ہیں

اور جگہ ہے:

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ (۷:۵۷)

اپنی رحمت سے پیشتر اس کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں وہ چلاتا ہے،

الْعَاصِفَاتِ سے بھی مراد ہوائیں ہیں، وہ نرم ہلکی اور بھینی بھینی ہوائیں تھیں یہ ذرا تیز جھونکوں والی اور آواز والی ہوائیں ہیں،

النَّاشِرَاتِ سے مراد بھی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو آسمان میں ہر چار سو پھیلا دیتی ہیں اور جدھر اللہ کا حکم ہوتا ہے انہیں لے جاتی ہیں،

فَارِقَاتِ اور مُلْقِيَاتِ سے مراد البتہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسولوں پر وحی لے کر آتے ہیں جس سے حق وباطل حلال وحرام میں ضلالت وہدایت میں امتیاز اور فرق ہو جاتا ہے تاکہ لوگوں کے عذر ختم ہو جائی اور منکرین کو تنبیہ ہو جائے،

عُذْرًا أَوْ نُذْرًا (٦)

جو (وحی) الزام اتارنے یا آگاہ کر دینے والی ہوتی ہے

ان قسموں کے بعد فرمان ہے کہ جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے جس دن تم سب کے سب اول آخر والے اپنی اپنی قبروں سے دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور اپنے کرتوت کا پھل پاؤ گے نیکی کی جزا اور بدی کی سزا پاؤ گے، صور پھونک دیا جائے گا اور ایک چٹیل میدان میں تم سب جمع کر دئے جاؤ گے،

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ (٧)

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یقیناً ہونے والی ہے۔

یہ وعدہ یقیناً حق ہے اور ہو کر رہنے والا اور لازمی طور پر آنے والا ہے،

Surah Mursalat

سورۃ الْمُرْسَلَاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا (۱)

دل خوش کن چلتی ہوئی ہواؤں کی قسم

فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا (۲)

پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم

وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا (۳)

پھر (ابر کو) ابھار کر پراگندہ کرنے والیوں کی قسم۔

فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا (۴)

پھر حق اور باطل کو جدا جدا کر دینے والے

فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا (۵)

اور وحی لانے والے فرشتوں کی قسم۔

بعض بزرگ صحابہ تابعین وغیرہ سے تو مروی ہے کہ مذکورہ بالا قسمیں ان اوصاف والے فرشتوں کی کھائی ہیں،

بعض کہتے ہیں پہلے کی چار قسمیں تو ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے،

بعض نے توقف کیا ہے کہ الْمُرْسَلَاتِ سے مراد یا تو فرشتے ہیں یا ہوائیں ہیں،

ہاں الْعَاصِفَاتِ میں کہا ہے کہ اس سے مراد تو ہوائیں ہی ہیں، بعض الْعَاصِفَاتِ میں یہ فرماتے ہیں اور النَّاشِرَاتِ میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے،

یہ بھی مروی ہے کہ النَّاشِرَاتِ سے مراد بارش ہے،

پھر فرماتا ہے یہ سورت سراسر عبرت و نصیحت ہے،

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا (٢٩)

پس جو چاہے اپنے رب کی راہ لے لے

جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کر کے اللہ سے ملنے کی راہ پر گامزن ہو جائے،

جیسے اور جگہ فرمان ہے:

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (٤:٣٩)

بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (٣٠)

اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے بیشک اللہ تعالیٰ علم والا باحکمت ہے۔

پھر فرمایا بات یہ ہے کہ جب تک اللہ نہ چاہے تمہیں ہدایت کی چاہت نصیب نہیں ہو سکتی، اللہ علیم و حکیم ہے،

يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ

جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے،

متقین ہدایت کو وہ ہدایت کی راہیں آسان کر دیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور جو اپنے آپ کو مستحق ضلالت بنا لیتا ہے اسے وہ ہدایت سے ہٹا دیتا ہے ہر کام میں اس کی حکمت بالغہ اور حجت نامہ ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت تلے لے لے اور راہ راست پر کھڑا کر دے اور جسے چاہے بے راہ چلنے دے اور راہ راست نہ سمجھائے، اس کی ہدایت نہ تو کوئی کھو سکے نہ اس کی گمراہی کو کوئی راستی سے بدل سکے،

وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (٣١)

اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس کے عذاب ظالموں اور ناانصافیوں سے ہی مخصوص ہیں،

****

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (۷۳:۱،۴)

اے لحاف اوڑھنے والے رات کا قیام کر مگر تھوڑی رات، آدھی یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ترتیل سے پڑھ۔

إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا (۲۷)

بیشک یہ لوگ جلدی ملنے والی (دنیا) کو چاہتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑے دیتے ہیں۔

پھر کفار کو روکتا ہے کہ حب دنیا میں پھنس کر آخرت کو ترک نہ کرو وہ بڑا بھاری دن ہے، اس فانی دنیا کے پیچھے پڑھ کر اس خوفناک دن کی دشواریوں سے غافل ہو جانا عقلمندی کا کام نہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۖ

ہم نے انہیں پیدا کیا اور ہم نے ہی ان کے جوڑ اور بندھن مضبوط کئے

پھر فرماتا ہے سب کے خالق ہم ہیں اور سب کی مضبوط پیدائش اور قوی اعضاء ہم نے ہی بنائے ہیں،

وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا (۲۸)

اور ہم جب چاہیں ان کے عوض ان جیسے اوروں کو بدل لائیں۔

اور ہم بالکل ہی قادر ہیں کہ قیامت کے دن انہیں بدل کر نئی پیدائش میں پیدا کر دیں، یہاں ابتداء آفرنیش کو اعادہ کی دلیل بنایا ہے،

اور اس آیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر ہم چاہیں اور جب چاہیں ہمیں قدرت حاصل ہے کہ انہیں فنا کر دیں مٹا دیں اور ان جیسے دوسرے انسانوں کو ان کے قائم مقام کر دیں۔ جیسے اور جگہ ہے:

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى ذَلِكَ قَدِيرًا (۴:۱۳۳)

اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو! وہ تم سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے، اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ (۱۴:۱۹،۲۰)

اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لائے۔ اللہ پر یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں۔

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ

یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا (٢٣)

بیشک ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا جو خاص کرم کیا ہے اسے یاد دلاتا ہے کہ ہم نے تجھ پر بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن کریم نازل فرمایا،

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا (٢٤)

پس تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ اور ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کا کہنا نہ مان۔

اب اس اکرام کے مقابلہ میں تمہیں بھی چاہئے کہ میری راہ میں صبر وضبط سے کام لو، میری قضاوقدر پر صابر شاکر رہو دیکھو تو سہی کہ میں اپنے حسن تدبیر سے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچاتا ہوں۔ ان کافروں منافقوں کی باتوں میں نہ آنا گو یہ تبلیغ سے روکیں لیکن تم نہ رکنا بلا رو و رعایت مایوسی اور تھکان کے بغیر ہر وقت وعظ، نصیحت، ارشاد و تلقین سے غرض رکھو، میری ذات پر بھروسہ رکھو میں تمہیں لوگوں کی ایذاء سے بچاؤں گا، تمہاری عصمت کا ذمہ دار میں ہوں،

فاجر کہتے ہیں، بد اعمال عاصی کو اور کفور کہتے ہیں دل کے منکر کو،

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (٢٥)

اور اپنے رب کے نام کا صبح شام ذکر کیا کر۔

دن کے اول آخر حصے میں رب کا نام لیا کرو،

وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا (٢٦)

اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر۔

راتوں کو تہجد کی نماز پڑھو اور دیر تک اللہ کی تسبیح کرو، جیسے اور جگہ فرمایا:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا (١٧:٧٩)

رات کو تہجد پڑھو عنقریب تمہیں تمہارا رب مقام محمود میں پہنچائے گا،

سورہ مزمل کے شروع میں فرمایا:

اور مقربین خاص کے بارے میں، اور جگہ ارشاد ہے:

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (۲۲:۲۳)

انہیں سونے کے کنگن ہیرے جڑے ہوئے پہنائے جائیں گے اور خالص نرم صاف ریشمی لباس ہو گا،

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا (۲۱)

اور انہیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا

ان ظاہری جسمانی استعمالی نعمتوں کے ساتھ ہی انہیں پر کیف، بالذت، سرور والی، پاک اور پاک کرنے والی شراب پلائے جائے گی جو تمام ظاہری باطنی برائی دور کر دے حسد کینہ بد خلقی غصہ وغیرہ سب دور کر دے، جیسے امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

جب اہل جنت جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں دو نہریں نظر آئیں گی اور انہیں از خود خیال پیدا ہو گا ایک کا وہ پانی پئیں گے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا سب دور ہو جائے گا دوسری میں غسل کریں گے جس سے چہرے ترو تازہ ہشاش بشاش ہو جائیں گے، ظاہری اور باطنی خوبی دونوں انہیں بدرجہ کمال حاصل ہوں گی جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔

إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا (۲۲)

(کہا جائے گا) کہ یہ ہے تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوشش کی قدر کی گئی۔

پھر ان سے ان کے دل خوش کرنے اور ان کی خوشی دوبالا کرنے کو بار بار کہا جائے گا تمہارے نیک اعمال کا بدلہ اور تمہاری بھلی کوشش کی قدر دانی ہے، جیسے اور جگہ ہے:

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (۶۹:۲۴)

دنیا میں جو اعمال تم نے کئے ان کی نیک جزا میں آج تم خوب لطیف ولذیذ بہ آرام واطمینان سے کھاتے پیتے رہو،

اور فرمان ہے:

وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (۷:۴۳)

منادی کئے جائیں گے کہ ان جنتوں کا وارث تمہیں تمہارے نیک کردار کی بنا پر بنایا گیا ہے،

یہاں بھی فرمایا تمہاری سعی مشکور ہے تھوڑے عمل پر بہت اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں سے کرے آمین۔

ایک حبشی دربار رسالت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اسے فرمایا تمہیں جو کچھ پوچھنا ہو جس بات کو سمجھنا ہو پوچھ لو اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صورت، شکل، رنگ، روپ، نبوۃ و رسالت میں آپ کو ہم پر فضیلت دی گئی ہے اب یہ تو فرمایئے کہ اگر میں بھی ان چیزوں پر ایمان لاؤں جن پر آپ ایمان لائے ہیں اور جن پر آپ عمل کرتے ہیں اگر میں بھی اسی پر عمل کروں تو کیا جنت میں آپ کے ساتھ ہو سکتا ہوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا ہاں قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سیاہ رنگ لوگوں کو جنت میں وہ سفید رنگ دیا جائے گا کہ ایک ہزار سال کے فاصلے سے دکھائی دے گا

پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اس کے لئے اللہ کے پاس عہد مقرر ہو جاتا ہے اور جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں،

تو ایک شخص نے کہا پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کیسے ہلاک ہوں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا سنو ایک شخص اتنی نیکیاں لائے گا کہ اگر کسی بڑے پہاڑ پر رکھی جائیں تو اس پر بوجھل پڑیں لیکن پھر جو اللہ کی نعمتیں اس کے مقابل آئیں گی تو قریب ہو گا کہ سب فنا ہو جائیں مگر یہ اور بات ہے کہ رحمت رب توجہ فرمائے اس وقت یہ سورت وَمُلْكًا كَبِيرًا تک اتری

اسی حبشی نے کہا کہ اے حضور جو کچھ آپ کی آنکھیں جنت میں دیکھیں گی کیا میری آنکھیں بھی دیکھیں گی؟

آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہاں، بس وہ رونے لگا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی

حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اسے دفن کیا۔

عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ

ان کے جسموں پر سبز باریک اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے

پھر اہل جنت کے لباس کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ سبز ہرے رنگ کا مہین اور چمکدار ریشم ہو گا،

سُندُسٍ اعلیٰ درجہ کا خالص نرم ریشم جو بدن سے لگا ہوا ہو گا،

اور إِسْتَبْرَقٌ عمدہ بیش بہا گراں قدر ریشم جس میں چمک دمک ہو گی جو اوپر پہنچایا جائے گا،

وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ

اور انہیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا جائے گا

ساتھ ہی چاندی کے کنگن ہاتھوں میں ہوں گے، یہ لباس ابرار کا ہے،

بیش قیمت جڑاؤ زیور پہنے بہ تعداد کثیر ادھر ادھر مختلف کاموں پر بٹے ہوئے ہوں گے جنہیں دوڑ بھاگ کر مستعدی اور چالاکی سے انجام دے رہے ہوں گے ایسا معلوم ہو گا گویا سفید آب دار موتی ادھر ادھر جنت میں بکھرے پڑے ہیں۔

حقیت میں اس سے زیادہ اچھی تشبیہ ان کے لئے کوئی اور نہ تھی کہ یہ صاحب جمال خوش خصال بوٹے سے قد والے سفید نورانی چہروں والے پاک صاف سجی ہوئی پوشاکیں پہنے زیور میں لدے اپنے مالک کی فرمانبرداری میں دوڑتے بھاگتے ادھر ادھر پھرتے ایسے بھلے معلوم ہوں گے سجے سجائے پر تکلف فرش پر سفید چمکیلے سچے موتی ادھر ادھر لڑھک رہے ہوں،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر ہر جنتی کے ایک ہزار خادم ہوں گے جو مختلف کام کاج میں لگے ہوئے ہوں گے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا (۲۰)

تو وہاں جہاں کہیں بھی نظر ڈالے گا سراسر نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت ہی دیکھے گا۔

اللہ فرماتا ہے اے نبی تم جنت کی جس جگہ نظر ڈالو تمہیں نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت نظر آئے گی تم دیکھو گے کہ راحت و سرور نعمت و نور سے چپہ چپہ معمور ہے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے:

سب سے آخر میں جو جہنم میں سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا اس سے جناب باری تبارک و تعالیٰ فرمائے گا جا میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے، بلکہ اس سے بھی دس حصے زیادہ دیا،

اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے وہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے:

ادنیٰ جنتی کی ملکیت و ملک دو ہزار سال تک ہو گا ہر قریب و بعید کی چیز پر اس کی یک نظر یکساں نگاہیں ہوں گی،

یہ حال تو ہے ادنیٰ جنتی کا پھر سمجھ لو کہ اعلیٰ جنتی کا درجہ کیا ہو گا؟ اور اس کی نعمتیں کیسی ہوں گی

اے اللہ اے بغیر ہماری دعا اور عمل کے ہمیں شیر مادر کے چشمے عنایت کرنے والے ہم بہ عاجزی والحاج تیری پاک جناب میں عرض گزار ہیں کہ تو ہمارے مشتاق دل کے ارمان پورے کر اور ہمیں بھی جنت الفردوس نصیب فرما۔ گو ایسے اعمال نہ ہوں لیکن ایمان ہے کہ تیری رحمت اعمال پر ہی موقف نہیں، آمین۔ مترجم

طبرانی کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں وارد ہے:

قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا (١٦)

جن کو (ساقی نے) اندازے سے ناپ رکھا ہو گا

پھر یہ جام نپے تلے ہوئے ہیں ساقی کے ہاتھ میں بھی زیب دیں اور ان کی ہتھیلیوں پر بھلے معلوم ہوں اور پینے والوں کے حسب خواہش شراب طہور اس میں سما جائے جو نہ بچے نہ گھٹے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا (١٧)

اور انہیں وہاں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی آمیزش زنجبیل کی ہو گی

ان نایاب گلاسوں میں جو پاک خوش ذائقہ اور سرور والی بے نشے کی شراب انہیں ملے گی وہ جنت کی نہر سلسبیل کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی،

اوپر گزر چکا ہے کہ نہر کافور کے پانی سے مخلوط کر کے دی جائے گی تو مطلب یہ ہے کبھی اس ٹھنڈک والے سرد مزاج پانی سے کبھی اس نفیس گرم مزاج پانی سے تاکہ اعتدال قائم رہے،

یہ ابرار لوگوں کا ذکر ہے اور خاص مقربین خالص اس نہر کا شربت پئیں گے،

عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا (١٨)

جنت کی ایک نہر جس کا نام سلسبیل ہے

سَلْسَبِيل بقول عکرمہؒ جنت کے ایک چشمے کا نام ہے کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ مسلسل روانگی سے لہریا چال بہہ رہا ہے، اس کا پانی بڑا ہلکا، نہایت شیریں، خوش ذائقہ اور خوش بو ہے جو آسانی سے پیا جائے اور ہضم اور جزو بدن ہوتا رہے۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَنْثُورًا (١٩)

اور جنکے ارد گرد گھومتے پھرتے ہونگے وہ کم سن بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں

ان نعمتوں کے ساتھ ہی خوبصورت حسین نوخیز کم عمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوں گے، یہ غلمان جنتی جس سن و سال میں ہوں گے اسی میں رہیں گے یہ نہیں کہ سن بڑھ کر صورت بگڑ جائے، نفیس پوشاکیں اور

وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا (١٤)

اور ان کے میوے اور گچھے نیچے لٹکے ہوئے ہونگے۔

اور میوے ان سے بالکل قریب ہوں گے چاہے لیٹے لیٹے توڑ کر کھالیں، چاہے بیٹھے بیٹھے لے لیں، چاہے کھڑے ہو کر لے لیں درختوں پر چڑھنے اور تکلیف کی کوئی حاجت نہیں، میوے دار گچھے اور لدے ہوئے لچھے لٹک رہے ہیں توڑا اور کھالیا، اگر کھڑے ہیں تو میوے اتنے اونچے ہیں بیٹھے تو قدرے جھک گئے لیٹے تو اور قریب آ گئے، نہ تو کانٹوں کی رکاوٹ نہ دوری کی سر دردی ہے،

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جنت کی زمین چاندی کی ہے اور اس کی مٹی مشک خالص ہے اس کے درختوں کے تنے سونے چاندی کے ہیں ڈالیاں لولو زبرجد اور یاقوت کی ہیں، ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں جن کے توڑنے میں کوئی دقت اور مشکل نہیں چاہے بیٹھے بیٹھے توڑلو چاہے کھڑے کھڑے بلکہ اگر چاہیں لیٹے لیٹے۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا (١٥)

اور ان پر چاندی کے برتنوں اور ان جاموں کا دور کرایا جائے گا جو شیشے کے ہونگے۔

ایک طرف خوش خرام، خوش دل، خوبصورت، باادب، سلیقہ شعار، فرمانبردار خادم قسم قسم کے کھانے چاندی کی کشتیوں میں لگائے لئے کھڑے۔ دوسری جانب شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلوریں جام لئے ساقیان مہوش اشارے کے منتظر ہیں،

قَوَارِيرَ مِن فِضَّةٍ

شیشے بھی چاندی کے

یہ گلاس صفائی میں شیشے جیسے اور سفیدی میں چاندی جیسے ہوں گے، دراصل ہوں گے چاندی کے لیکن شیشے کی طرح شفاف ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے نظر آئے، جنت کی تمام چیزوں کی یونہی سی برائے نام مشابہت دنیا کی چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن ان چاندی کے بلوریں گلاسوں کی کوئی نظری نہیں ملتی،

ہاں یہ یاد رہے کہ پہلے کے لفظ قَوَارِيرَ پر زبر تو اس لئے ہے کہ وہ کان کی خبر ہے اور دوسرے پر زبر یا تو بدلیت کی بنا پر ہے یا تمیز کی بنا پر،

پھر فرماتا ہے انکے صبر کے اجر میں انہیں رہنے سہنے کو وسیع جنت پاک زندگی اور پہننے اوڑھنے کو ریشمی لباس ملا، ابن عساکر میں ہے کہ ابو سلیمان دارانیؒ کے سامنے اس سورت کی کی تلاوت ہوئی جب قاری نے اس آیت کو پڑھا تو آپ نے فرمایا انہوں نے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ رکھا تھا، پھر یہ اشعار پڑھے۔

افسوس شہوت نفس نے اور بھلائیوں کے خلاہرائیوں کی چاہت نے بہت سے گواہوں کا گلا گھونٹ دیا

اور کئی ایک کو پابجولاں کر دیا، نفسانی خواہشیں ہی ہیں جو انسان کو بدترین ذلت ورسوائی اور بلاو مصیبت میں ڈال دیتی ہیں۔

مُتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ ۖ

یہ وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھیں گے۔

اہل جنت کی نعمت، راحت، ان کے ملک ومال اور جاہ ومنال کا ذکر ہو رہا ہے یہ لوگ با آرام تمام پورے اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع، مزین، جڑاؤ تختوں پر بے فکری سے تکیئے لگائے سرور اور راحت سے بیٹھے مزے لوٹ رہے ہوں گے،

سورہ والصافات کی تفسیر میں اس کی پوری شرح گزر چکی ہے، وہیں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اتکا سے مراد لیٹنا ہے، یا کہنیاں ٹکانا ہے، یا چار زانو بیٹھنا ہے، یا کمر لگا کر ٹیک لگانا ہے،

اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ أَرَائِكِ چھپر کھٹوں کو کہتے ہیں،

لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا (۱۳)

نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ سردی کی سختی۔

پھر ایک اور نعمت بیان ہو رہی ہے کہ وہاں نہ تو سورج کی تیز شعاعوں سے انہیں کوئی تکلیف پہنچے نہ جاڑے کی بہت سرد ہوائیں انہیں ناگوار گزریں بلکہ بہار کا سا موسم ہر وقت اور ہمیشہ رہتا ہے گرمی سردی کے جھمیلوں سے الگ ہیں،

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا

ان جنتوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہونگے

جنتی درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر سایہ کئے ہوئے ہوں گی

عکرمہؒ فرماتے ہیں کافر کا منہ اس دن بگڑ جائے گا اس کے تیوری چڑھ جائے گی اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے عرق بہنے لگے گا جو مثل روغن گندھک کے ہو گا،

مجاہدؒ فرماتے ہیں ہونٹ چڑھ جائیں گے اور چہرہ سمٹ جائے گا،

حضرت سعیدؒ اور حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ بوجہ گھبراہٹ اور ہولناکیوں کے صورت بگڑ جائے گی پیشانی تنگ ہو جائے گی،

ابن زیدؒ فرماتے ہیں برائی اور سختی والا دن ہو گا،

لیکن سب سے واضح بہتر نہایت مناسب بالکل ٹھیک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے،

قَمْطَرِير کے لغوی معنی امام ابن جریرؒ نے شدید کے کئے ہیں یعنی بہت سختی والا۔

فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا (۱۱)

پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچالیا اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی۔

ان کی اس نیک نیتی اور پاک عمل کی وجہ سے اللہ نے انہیں اس دن کی برائی سے بال بال بچالیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں بجائے ترش روئی کے خندہ پیشانی اور بجائے دل کی ہولناکی کے اطمینان و سرور قلب عطا فرمایا،

خیال کیجئے کہ یہاں عبارت میں کس قدر بلیغ تجانس کا استعمال کیا گیا ہے، اور جگہ ہے:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ (۸۰:۳۸،۳۹)

اس دن بہت سے چہرے چمکدار ہوں گے، جو ہنستے ہوئے اور خوشیاں مناتے ہوئے ہوں گے،

یہ ظاہر ہے کہ جب دل مسرور ہو گا تو چہرہ کھلا ہوا ہو گا، حضرت کعب بن مالکؓ کی لمبی حدیث میں ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کوئی خوشی ہوتی تو آپ کا چہرہ چمکنے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے،

حضرت عائشہؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے چہرہ خوشی سے منور ہو رہا تھا اور مکھڑے مبارک کی رگیں چمک رہی تھیں۔

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا (۱۲)

اور انہیں ان کے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے۔

قیدی کی نسبت حضرت سعیدؒ وغیرہ تو فرماتے ہیں مسلمان اہل قبلہ قیدی مراد ہے، لیکن ابن عباسؓ وغیرہ کا فرمان ہے اس وقت قیدیوں میں سوائے مشرکین کے اور کوئی مسلم نہ تھا، اور اسی کی تائید اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدری قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب کو فرمایا تھا کہ ان کا اکرام کرو چنانچہ کھانے پینے میں صحابہ خود اپنی جان سے بھی زیادہ ان کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غلام ہیں،

امام ابن جریر رحمتہ اللہ علیہ بسبب آیت کے عام ہونے کے اسی کو پسند کرتے ہیں اور مسلم مشرک سب کو شامل کرتے ہیں،

غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کی تاکید بہت سی احادیث میں آئی ہے، بلکہ رسول اکرم محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت اپنی اُمت کو یہی ہے:

نمازوں کی نگہبانی کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کا پورا خیال رکھو۔

إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا (۱۰)

بیشک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو اداسی اور سختی والا ہو گا۔

یہ اس نیک سلوک کا نہ تو ان لوگوں سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ، بلکہ اپنے حال سے گویا اعلان کر دیتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف راہ اللہ دیتے ہیں اس میں ہماری ہی بہتری ہے کہ اس سے رضائے رب اور مرضی مولا ہمیں حاصل ہو جائے، ہم ثواب اور اجر کے مستحق ہو جائیں،

حضرت سعید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم یہ بات وہ لوگ منہ سے نہیں نکالتے یہ دلی ارادہ ہوتا ہے جس کا علم اللہ کو ہے تو اللہ نے اسے ظاہر فرما دیا کہ اور لوگوں کی رغبت کا باعث بنے، یہ پاک باز جماعت خیرات و صدقات کر کے اس دن کے عذاب اور ہولناکیوں سے بچنا چاہتی ہے جو ترش رو تنگ و تاریک اور طول طویل ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ اس بنا پر اللہ ان پر رحم کرے گا اور اس محتاجی اور بے کسی والے دن ہماری نیکیاں ہمارے کام آئیں گی،

حضرت ابن عباسؓ سے عَبُوس کے معنی تنگی والا

اور قَمْطَرِيرا کے معنی طول طویل مروی ہے،

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (۹)

ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری۔

یہ نیکوکار اللہ کی محبت میں مستحق لوگوں پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ بھی کرتے رہتے تھے،

اور ہ کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے طعام کو بھی کہا ہے لفظاً زیادہ ظاہر بھی یہی ہے، یعنی باوجود طعام کی محبت اور خواہش ضرورت کے راہ اللہ غرباء اور حاجت مندوں کو دے دیتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے

وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ (۲:۱۷۷)

مال کی چاہت کے باوجود اسے راہ اللہ دیتے رہتے ہیں

اور فرمان ہے:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (۳:۹۲)

تم ہرگز بھلائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی چاہت کی چیزیں راہ اللہ خرچ نہ کرو،

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے آپ کی بیماری میں انگور کا موسم آیا جب انگور بکنے لگے تو آپ کا دل بھی چاہا کہ میں انگور کھاؤں، آپ کی بیوی صاحبہ حضرت صفیہؓ نے ایک درہم کے انگور منگائے، آدمی لے کر آیا اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک سائل بھی آ گیا اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا یہ سب اسی کو دے دو، چنانچہ دے دیئے گئے

پھر دوبارہ آدمی گیا اور انگور خرید لایا اب کی مرتبہ بھی سائل آ گیا اور اس کے سوال پر اسی کو سب کے سب انگور دے دیئے گئے، لیکن اب کی مرتبہ حضرت صفیہؓ نے سائل کو کہلوا بھیجا کہ اگر اب آئے تو تمہیں کچھ نہ ملے گا چنانچہ تیسری مرتبہ ایک درہم کے انگور منگوائے گئے (بیہقی)

صحیح حدیث میں ہے:

افضل صدقہ وہ ہے جو تو اپنی صحت کی حالت میں مال کی محبت امیری کی چاہت اور افلاس کے خوف کے باوجود راہ اللہ دے،

یعنی مال کی حرص، حب بھی اور چاہت و ضرورت بھی ہو پھر بھی راہ اللہ اسے قربان کر دے۔

یتیم اور مسکین کسے کہتے ہیں؟ اس کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے،

عَيۡنٗا يَشۡرَبُ بِهَا عِبَادُ ٱللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفۡجِيرٗا (٦)

جو ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اس کی نہریں نکال لے جائیں گے (جدھر چاہیں)۔

كَافُورًا ایک نہر کا نام ہے جس سے اللہ کے خاص بندے پانی پیتے ہیں اور صرف اسی سے آسودگی حاصل کرتے ہیں اسی لئے یہاں اسے "ب" سے متعدی کیا اور تمیز کی بنا پر عَيۡنٗا پر نصب دیا، یہ پانی اپنی خوشبو میں مثل كَافُورًا کے ہے یا یہ ٹھیک كَافُورًا ہی ہے اور عَيۡنٗا کا زبر يَشۡرَبُ کی وجہ سے ہے،

پھر اس نہر تک انہیں آنے کی ضرورت نہیں یہ اپنے باغات مکانات، مجلسوں اور بیٹھکوں میں جہاں بھی جائیں گے اس لے جائیں گے اور وہیں وہ پہنچ جائے گی،

تَفۡجِيرٗا کے معنی روانی اور اجرا کے ہیں، جیسے آیت حَتَّىٰ تَفۡجُرَ لَنَا (١٧:٩٠) اور وَفَجَّرۡنَا خِلَٰلَهُمَا نَهَرًا (١٨:٣٣) میں۔

يُوفُونَ بِٱلنَّذۡرِ وَيَخَافُونَ يَوۡمٗا كَانَ شَرُّهُۥ مُسۡتَطِيرٗا (٧)

جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔

ان لوگوں کی نیکیاں بیان ہو رہی ہیں کہ جو عبادت اللہ کی طرف سے ان کے ذمہ تھی وہ بجالاتے تھے بلکہ جو چیز یہ اپنے اوپر کر لیتے اسے بھی بجالاتے یعنی نذر بھی پوری کرتے۔

حدیث میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے وہ پوری کرے اور جو نافرمانی کی نذر مانے اسے پورا نہ کرے۔

امام بخاریؒ نے اسے امام مالکؒ کی روایت سے بیان فرمایا۔

اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بھاگتے رہتے ہیں، کیونکہ قیامت کے دن کا ڈر ہے جس کی گھبراہٹ عام طور پر سب کو گھیر لے گی اور ہر ایک الجھن میں پڑ جائے گا مگر جس پر اللہ کا رحم و کرم ہو، زمین و آسمان تک ہول رہے ہوں گے،

استطار کے معنی ہی ہیں پھیل جانے والی اور اطراف کو گھیر لینے والی کے ہیں،

وَيُطۡعِمُونَ ٱلطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ مِسۡكِينٗا وَيَتِيمٗا وَأَسِيرًا (٨)

اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدیوں کو۔

اے کعب لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں کوئی تو اسے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گزرتا ہے،

سورہ روم کی آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰:۳۰) کی تفسیر میں حضرت جابرؓ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی گزر چکا ہے:

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ زبان چلنے لگتی ہے پھر یا تو شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا،

مسند احمد کی اور حدیث میں ہے:

جو نکلنے والا نکلتا ہے اس کے دروازے پر دو جھنڈے ہوتے ہیں ایک فرشتے کے ہاتھ میں دوسرا شیطان کے ہاتھ میں پس اگر وہ اس کام کے لئے نکلا جو اللہ کی مرضی کا ہے تو فرشتہ اپنا جھنڈا لئے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور یہ واپسی تک فرشتے کے جھنڈے تلے ہی رہتا ہے اور اگر اللہ کی ناراضگی کے کام کے لئے نکلا ہے تو شیطان اپنا جھنڈ الگائے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور واپسی تک یہ شیطانی جھنڈے تلے رہتا ہے۔

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا (۴)

یقیناً ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جو بھی اس سے کفر کرے اس کے لئے زنجیریں طوق اور شعلوں والی بھڑکتی ہوئی تیز آگ تیار ہے، جیسے اور جگہ ہے:

إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ (۴۰:۷۱،۷۲)

جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی گھسیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا (۵)

بیشک نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس کی آمیزش کافور کی ہے۔

ان بدنصیبوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے انہیں وہ جام پلائے جائیں گے جن کا مشروب كَافُورًا نامی نہر کے پانی کا ہو گا، ذائقہ بھی اعلیٰ، خوشبو بھی عمدہ اور فائدہ بھی بہتر كَافُورًا کی سی ٹھنڈک اور سونٹھ کی سو خوشبو،

جیسے اور جگہ ہے:

وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى (۴۱:۱۷)

ثمودیوں کو ہم نے ہدایت کی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی

اور جگہ ہے:

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (۹۰:۱۰)

ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھادیں،

یعنی بھلائی برائی کی،

اس آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ، ابو صالحؒ، ضحاکؒ اور سدیؒ سے مروی ہے کہ اسے ہم نے راہ دکھائی یعنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کی، لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے اور جمہور سے یہی منقول ہے

شَاكِرًا اور كَفُورًا کا نصب حال کی وجہ سے ذوالحال ہ کی ضمیر ہے جو إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ میں ہے، یعنی وہ اس حالت میں یاتو شقی ہے یا سعید ہے، جیسے صحیح مسلم کی حدیث میں ہے:

ہر شخص صبح کے وقت اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے یا تو اسے ہلاک کر دیتا ہے یا آزاد کر الیتا ہے،

مسند احمد میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تجھے بیو قوفوں کی سرداری سے بچائے

حضرت کعبؓ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے؟

فرمایا وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر نہ عمل کریں گے نہ میرے طریقوں پر چلیں گے پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں اور ان کے ظلم کی امداد کریں وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں

یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آسکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھے ملیں گے

اے کعب روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو مٹادیتا ہے اور نماز قرب اللہ کا سبب ہے یا فرمایا کہ دلیل نجات ہے۔

اے کعب وہ گوشت پوست جنت میں نہیں جاسکتا جو حرام سے پلا ہو وہ تو جہنم میں ہی جانے کے قابل ہے،

Surah Dahr

سورۃ الدّھر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هَلۡ أَتَىٰ عَلَى ٱلۡإِنسَٰنِ حِينٞ مِّنَ ٱلدَّهۡرِ لَمۡ يَكُن شَيۡـٔٗا مَّذۡكُورًا (۱)

یقیناً گزرا ہے انسان ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنی حقارت اور ضعف کی وجہ سے ایسی چیز نہ تھا کہ ذکر کیا جائے،

إِنَّا خَلَقۡنَا ٱلۡإِنسَٰنَ مِن نُّطۡفَةٍ أَمۡشَاجٖ نَّبۡتَلِيهِ

بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لئے پیدا کیا

اسے مرد و عورت کے ملے جلے پانی سے پیدا کیا اور عجب عجب تبدیلیوں کے بعد یہ موجودہ شکل و صورت اور ہئیت پر آیا، اسے ہم آزما رہے ہیں،

جیسے اور جگہ ہے:

لِيَبۡلُوَكُمۡ أَيُّكُمۡ أَحسن عَمَلٗا (۶۷:۲)

تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟

فَجَعَلۡنَٰهُ سَمِيعَۢا بَصِيرًا (۲)

اور اس کو سنتا دیکھتا بنایا

پس اس نے تمہیں کان اور آنکھیں عطا فرمائیں تاکہ اطاعت اور معصیت میں تمیز کر سکو۔

إِنَّا هَدَيۡنَٰهُ ٱلسَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرٗا وَإِمَّا كَفُورًا (۳)

ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکرا۔

ہم نے اسے راہ دکھادی خوب واضح اور صاف کر کے اپنا سیدھا راستہ اس پر کھول دیا،

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی چھت پر بہ آواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے تھے جب اس سورت کی آخری آیت کی تلاوت کی تو فرمایا سبحانک اللھم قبلی اے اللہ تو پاک ہے اور بیشک قادر ہے،

لوگوں نے اس کہنے کا باعث پوچھا تو فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کا یہی جواب دیتے ہوئے سنا ہے

ابو داؤد میں بھی یہ حدیث ہے، لیکن دونوں کتابوں میں اس صحابی کا نام نہیں گو یہ نام نہ ہونا مضر نہیں،

ابو داؤد کی اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص تم میں سے سورہ والتین کی آخری آیت أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ پڑھے وہ بلا وانا علی ذالک من الشاھدین کہے یعنی ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں،

اور جو شخص سورہ قیامت کی آخری آیت أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى پڑھے تو وہ کہے بلیٰ

اور جو سورہ والمرسلات کی آخری آیت فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ پڑھے وہ امنا باللہ کہے۔

یہ حدیث مسند احمد اور ترمذی میں بھی ہے،

ابن جریر میں حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اس آخری آیت کے بعد فرماتے سبحانک وبلیٰ

حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے جواب میں یہ کہنا ابن ابی حاتم میں مروی ہے۔

****

أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَى (۳۷)

کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا؟

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى (۳۸)

پھر لہو کا لو تھڑا ہو گیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست بنا دیا

انسان دراصل نطفہ کی شکل میں بے جان و بے بنیاد تھا پانی کا ذلیل قطرہ تھا جو پیٹھ سے رحم میں آیا پھر خون کی پھٹکی بنی، پھر گوشت کا لو تھڑا ہوا،

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى (۳۹)

پھر اس سے جوڑے یعنی نر مادہ بنائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے شکل و صورت دے کر روح پھونکی اور سالم اعضاء والا انسان بنا کر مرد یا عورت کی صورت میں پیدا کیا۔

أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَى (۴۰)

کیا (اللہ تعالیٰ) اس (امر) پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کر دے

کیا اللہ جس نے نطفہ ضعیف کو ایسا صحیح القامت قوی انسان بنا دیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اسے فنا کر کے پھر دوبارہ پیدا کر دے؟ یقیناً پہلی مرتبہ کا پیدا کرنے والا دوبارہ بنانے پر بہت زیادہ اور بطور اولیٰ قادر ہے، یا کم از کم اتنا ہی جتنا پہلی مرتبہ تھا۔

جیسے فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ (۳۰:۲۷)

اس نے ابتدا پیدا کیا وہی پھر لوٹائے گا اور وہ اس پر بہت زیادہ آسان ہے۔

اس آیت کے مطلب میں بھی دو قول ہیں، لیکن پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے جیسے کہ سورہ روم کی تفسیر میں اس کا بیان اور تقریر گزر چکی واللہ اعلم،

ابن ابی حاتم میں ہے:

ذُقۡ إِنَّكَ أَنتَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡكَرِيمُ (۴۴:۴۹)

(اس سے کہا جائے گا) چکھتا جا تو تو بڑا ذی عزت اور بڑے اکرام والا تھا

یعنی قیامت کے دن کافر سے بطور ڈانٹ اور حقارت کے کہا جائے گا کہ لے اب مزہ چکھ تو تو بڑی عزت اور بزرگی والا تھا اور فرمان ہے:

كُلُوا۟ وَتَمَتَّعُوا۟ قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجۡرِمُونَ (۷۷:۴۶)

کچھ کھا پی لو آخر تو بدکار گنہگار ہو

اور جگہ ہے:

فَٱعۡبُدُوا۟ مَا شِئۡتُم مِّن دُونِهِۦ (۳۹:۱۵)

جاؤ اللہ کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو

غرض یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں یہ احکام بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیرؒ سے جب یہ آیت أَوۡلَىٰ لَكَ فَأَوۡلَىٰ، کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ابو جہل کو فرمایا تھا پھر قرآن میں بھی یہی الفاظ نازل ہوئے،

حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی کے قریب قریب نسائی میں موجود ہے،

ابن ابی حاتم میں حضرت قتادہؒ کی روایت ہے:

حضور ﷺ کے اس فرمان پر اس دشمن رب نے کہا کہ کیا تو مجھے دھمکاتا ہے؟ اللہ کی قسم تو اور تیرا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے والوں میں سب سے زیادہ ذی عزت میں ہوں۔

أَيَحۡسَبُ ٱلۡإِنسَٰنُ أَن يُتۡرَكَ سُدًى (۳٦)

انسان یہ سمجھتا ہے کے اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ اسے کوئی حکم اور کسی چیز کی ممانعت نہ کی جائے گی؟

ایسا ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں اسے حکم و ممانعت اور آخرت میں اپنے اپنے اعمال کے بموجب جزاء و سزا ضرور ملے گی،

مقصود یہاں پر قیامت کا اثبات اور منکرین قیامت کا رد ہے، اسی لئے دلیل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ

وَلَكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّى (۳۲)

بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی۔

ہاں جھٹلانے اور منہ موڑنے میں بے باک تھا،

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ يَتَمَطَّى (۳۳)

پھر اپنے گھر والوں کے پاس اتراتا ہوا گیا

اور اپنے اس ناکارہ عمل پر اتراتا اور پھولتا ہوا بے ہمتی اور بد عملی کے ساتھ اپنے والوں میں جا ملتا تھا،

جیسے اور جگہ ہے:

وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ (۸۳:۳۱)

اور جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے تھے

یعنی جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے ہیں تو خوب باتیں بناتے ہوئے مزے کرتے ہوئے خوش خوش جاتے ہیں

اور جگہ ہے:

إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ بَلَى إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا (۸۴:۱۳،۱۵)

یہ شخص اپنے متعلقین میں (دنیا میں) خوش تھا اس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر ہی نہ جائے گا۔ کیوں نہیں حالانکہ اس کا رب اسے بخوبی دیکھ رہا تھا

یعنی یہ اپنے گھرانے والوں میں شادمان تھا اور سمجھ رہا تھا کہ اللہ کی طرف اسے لوٹنا ہی نہیں۔ اس کا یہ خیال محض غلط تھا اس کے رب کی نگاہیں اس پر تھیں،

أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى (۳۴)

افسوس ہے تجھ پر حسرت ہے تجھ پر۔

ثُمَّ أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى (۳۵)

وائے ہے اور خرابی ہے تیرے لئے

پھر اسے اللہ تبارک و تعالیٰ دھمکاتا ہے اور ڈر سناتا ہے اور فرماتا ہے خرابی ہو تجھے اللہ کے ساتھ کفر کر کے پھر اتراتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے:

اور یہ بھی مروی ہے کہ کفن کے وقت پنڈلی سے پنڈلی کا مل جانا مراد ہے،

چوتھا مطلب حضرت ضحاکؒ سے یہ بھی مروی ہے:

دو کام دو طرف جمع ہو جاتے ہیں ادھر تو لوگ اس کے جسم کو نہلا دھلا کر سپرد خاک کرنے کو تیار ہیں ادھر فرشتے اس کی روح لے جانے میں مشغول ہیں اگر نیک ہے تو عمدہ تیاری اور دھوم کے ساتھ اگر بد ہے تو نہایت ہی برائی اور بدتر حالت کے ساتھ۔

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ (۳۰)

آج تیرے پروردگار کی طرف چلنا ہے۔

اب لوٹنے، قرار پانے، رہنے سہنے، پہنچ جانے کھچ کر اور چل کر پہنچنے کی جگہ اللہ ہی کی طرف ہے روح آسمان کی طرف چڑھائی جاتی ہے پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ اسے زمین کی طرف واپس لے جاؤ میں نے ان سب کو اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹا کر لے جاؤں گا اور پھر اسی سے انہیں دوبارہ نکالوں گا، جیسے کہ حضرت براءؓ کی مطول حدیث میں آیا ہے،

یہی مضمون اور جگہ بیان ہوا ہے:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ (۶:۶۱،۶۲)

اور وہی اپنے بندے کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور تم پر نگہداشت رکھنے والا بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آ پہنچتی ہے، اسکی روح ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جائیں گے خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہو گا اور وہ بہت جلد حساب لے گا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ (۳۱)

اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی۔

پھر اس کافر انسان کا حال بیان ہو رہا ہے جو اپنے دل اور عقیدے سے حق کا جھٹلانے والا اور اپنے بدن اور عمل سے حق سے روگردانی کرنے والا تھا جس کا ظاہر باطن برباد ہو چکا تھا اور کوئی بھلائی اس میں باقی نہیں رہی تھی، نہ وہ اللہ کی باتوں کی دل سے تصدیق کرتا تھا نہ جسم سے عبادت اللہ بجا لاتا تھا یہاں تک کہ نماز کا بھی چور تھا،

یعنی جبکہ روح حلق تک پہنچ جائے اور تم دیکھ رہے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے پس اگر تم حکم الٰہی کے ماتحت نہیں ہو اور اپنے اس قول میں سچے ہو تو اس روح کو کیوں نہیں لوٹالاتے؟ اس مقام پر اس حدیث پر بھی نظر ڈال لی جائے جو بشر بن حجاج کی روایت سے سورہ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے،

وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ (٢٧)

اور کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟

وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ (٢٨)

اور جان لیا اس نے کہ یہ وقت جدائی ہے

اس وقت ہائی دہائی ہوتی ہے کہ کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کرے یعنی کسی طبیب وغیرہ کے ذریعہ شفا ہو سکتی ہے؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہے یعنی اس روح کو لے کر کون چڑھے گا رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (٢٩)

اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی

اور پنڈلی سے پنڈلی کے رگڑا کھانے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ مروی ہے:

دنیا اور آخرت اس پر جمع ہو جاتی ہے دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن ہوتا ہے جس سے سختی اور سخت ہو جاتی ہے مگر جس پر رب رحیم کا رحم و کرم ہو،

دوسرا مطلب حضرت عکرمہؒ سے یہ مروی ہے:

ایک بہت بڑا امیر دوسرے بہت بڑے امیر سے مل جاتا ہے بلا پر بلا آ جاتی ہے،

تیسرا مطلب حضرت حسن بصریؒ وغیرہ سے مروی ہے:

خود مرنے والے کی بے قراری، شدت درد سے پاؤں پر پاؤں کا چڑھ جانا مراد ہے۔ پہلے تو ان پیروں پر چلتا پھرتا تھا اب ان میں جان کہاں؟

یعنی قیامت کے دن بہت سے چہرے خوف زدہ دہشت اور ڈر والے بد رونق اور ذلیل ہوں گے جو عمل کرتے رہے تکلیف اٹھاتے رہے لیکن آج بھڑکتی ہوئی آگ میں جا گھسے، پھر فرمایا:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (۸۸:۸،۱۰)

بعض چہرے ان دن نعمتوں والے خوش وخرم چمکیلے اور شادان وفرحان بھی ہوں گے، جو اپنے گزشتہ اعمال سے خوش ہوں گے اور بلند وبالا جنتوں میں اقامت رکھتے ہوں گے،

اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ (۲۶)

نہیں نہیں جب روح ہنسلی تک پہنچے گی۔

یہاں موت کا اور سکرات کی کیفیت کا بیان ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت حق پر ثابت قدم رکھے۔

كَلَّا کو اگر یہاں ڈانٹ کے معنی میں لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ

اے ابن آدم تو جو میری خبروں کو جھٹلاتا ہے یہ درست نہیں بلکہ ان کے مقدمات تو تو روزمرہ کھلم کھلا دیکھ رہا ہے

اور اگر اس لفظ کو حقا کے معنی میں لیں تو مطلب اور زیادہ ظاہر ہے

یعنی یہ بات یقینی ہے کہ جب تیری روح تیرے جسم سے نکلنے لگے اور تیرے نرخرے تک پہنچ جائے

تَرَاقِيَ جان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو حلقوم کے قریب ہیں

تَرَاقِيَ جمع ہے ترقوۃ کی ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو سینے پر اور مونڈھوں کے درمیان میں ہیں جسے ہانس کی ہڈی کہتے ہیں،

جیسے اور جگہ فرمایا ہے:

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ

فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۵۶:۸۳،۸۷)

پس جبکہ روح نرخرے تک پہنچ جائے اور تم اس وقت آنکھوں سے دیکھتے رہو ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں اور اس قول میں سچے ہو تو (ذرا) اس روح کو تو لوٹاؤ۔

جو لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مراد اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنا ہے ان کے پاس اس آیت کا کیا جواب ہے جہاں بدکاروں کی نسبت فرمایا گیا ہے:

كَلَّآ إِنَّهُمۡ عَن رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوبُونَ (۸۳:۱۵)

ہر گز نہیں یہ لوگ اس دن اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے

یعنی فاجر قیامت کے دن اپنے پروردگار سے پردے میں کر دیئے جائیں گے،

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاجروں کے دیدار الٰہی سے محروم رہنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ ابرار یعنی نیک کار لوگ دیدار الٰہی سے مشرف کئے جائیں گے اور متواتر احادیث سے ثابت ہو چکا ہے اور اسی پر اس آیت کی روانگی الفاظ صاف دلالت کرتی ہے کہ ایمان دار دیدار باری سے محظوظ ہوں گے،

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں یہ چہرے حسن وخوبی والے ہوں گے کیونکہ دیدار رب پر ان کی نگاہیں پڑتی ہوں گی پھر بھلا یہ منور وحسین کیوں نہ ہوں۔

وَوُجُوهٌ يَوۡمَئِذِۭ بَاسِرَةٌ (۲۴)

اور کتنے چہرے اس دن (بدرونق) اور اداس ہونگے

تَظُنُّ أَن يُفۡعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ (۲۵)

سمجھتے ہونگے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا

اور بہت سے منہ اس دن بگڑے ہوئے ہوں گے بد شکل ہو رہے ہوں گے بے رونق اور اداس ہوں گے، انہیں یقین ہو گا کہ ہم پر اب کوئی ہلاکت اور اللہ کی پکڑ آئی، ابھی ہمیں جہنم میں جانے کا حکم ہوا، جیسے اور جگہ ہے:

يَوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسۡوَدُّ وُجُوهٌ (۳:۱۰۶)

جس دن بعض چہرے سفید ہونگے اور بعض سیاہ

یعنی اس دن بعض چہرے گورے چٹے خوبصورت اور حسین ہوں گے اور بعض کالے منہ والے ہوں گے

اور جگہ ہے:

وُجُوهٌ يَوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصۡلَىٰ نَارًا حَامِيَةً (۸۸:۲،۴)

اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہونگے (اور) محنت کرنے والے تھکے ہوئے ہونگے اور دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔

وہ کہیں گے الٰہی تو نے ہمارے چہرے سفید نورانی کر دیئے، ہمیں جنت میں پہنچا دیا جہنم سے بچا لیا اب ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے؟

اسی وقت حجاب ہٹا دیئے جائیں گے اور ان اہل جنت کی نگاہیں جمال باری سے منور ہوں گی اس میں انہیں جو سرور ولذت حاصل ہو گی وہ کسی چیز میں نہ حاصل ہو گی سب سے زیادہ محبوب انہیں دیدار باری ہو گا

اسی کو اس آیت میں لفظ زِيَادَةٌ سے تعبیر کیا گیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ (۱۰:۲۶)

جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید بر آں بھی

یعنی احسان کرنے والوں کو جنت بھی ملے گی اور دیدار رب بھی،

صحیح مسلم کی حضرت جابرؓ والی روایت میں ہے:

اللہ تعالیٰ مومنوں پر قیامت کے میدان میں مسکراتا ہوا تجلی فرمائے گا،

پس معلوم ہوا کہ ایماندار قیامت کے عرصات میں اور جنتوں میں دیدار الٰہی سے مشرف کئے جائیں گے،

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سب سے ہلکے درجہ کا جنتی اپنے ملک اور اپنی ملکیت کو دو ہزار سال دیکھتا رہے گا دور اور نزدیک کی چیزیں یکساں نگاہ میں ہوں گی ہر طرف اور ہر جگہ اسی کی بیویاں اور خادم نظر آئیں گے اور اعلیٰ درجہ کے جنتی ایک ایک دن میں دو دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے بزرگ چہرے کو دیکھیں گے،

ترمذی شریف میں بھی یہ حدیث ہے،

یہ حدیث بروایت حضرت ابن عمر مرفوعًا بھی مروی ہے،

ہمیں ڈر ہے کہ اگر اس قسم کی تمام حدیثیں اور روایتیں اور ان کی سندیں اور ان کے مختلف الفاظ یہاں جمع کریں گے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا بہت سی صحیح اور حسن حدیثیں بہت سی مسند اور سنن کی کتابوں میں مروی ہیں جن میں اکثر ہماری اس تفسیر میں متفرق مقامات پر آ بھی گئی ہیں، ہاں توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے،

اللہ کا شکر ہے کہ اس مسئلہ میں یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار مؤمنوں کو قیامت کے دن ہونے میں صحابہ تابعین اور سلف امت کا اتفاق اور اجماع ہے ائمہ اسلام اور ہداۃ انام سب اس پر متفق ہیں،

اس دن بہت سے لوگ تو وہ ہوں گے جن کے چہرے ہشاش بشاش ترو تازہ خوش و خرم ہوں گے اور اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے، جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے:

عنقریب تم اپنے رب کو صاف صاف کھلم کھلا اپنے سامنے دیکھو گے،

بہت سی صحیح احادیث سے متواتر سندوں سے جو ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں وارد کی ہیں ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان والے اپنے رب کے دیدار سے قیامت کے دن مشرف ہوں گے ان احادیث کو نہ تو کوئی ہٹا سکے نہ ان کا کوئی انکار کر سکے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو جبکہ آسمان صاف بے ابر ہو دیکھنے میں تمہیں کوئی مزاحمت یا رکاوٹ ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں

آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے،

بخاری و مسلم میں ہے حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا:

تم اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے، جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (یعنی صبح کی نماز) اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز (یعنی عصر کی نماز) میں کسی طرح کی سستی نہ کرو،

حضرت ابو موسیٰؓ سے انہی دونوں متبرک کتابوں میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دو جنتیں سونے کی ہیں وہاں کے برتن اور ہر چیز سونے کی ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں اور ان کے برتن اور ہر چیز چاندی ہی کی ہے سوائے کبریائی کی چادروں کے اور کوئی آڑ نہیں۔

یہ جنت عدن کا ذکر ہے،

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے:

جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کچھ چاہتے ہو کہ بڑھا دوں؟

اتنی جلدی نہ کرو اور ہونٹ نہ ہلاؤ اسے آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کی تلاوت کرانا ہمارے سپرد ہے جب ہم اسے پڑھیں تو آپ سنئے اور چپ رہئے جبرائیلؑ کے چلے جانے کے بعد انہی کی طرح ان کا پڑھایا ہوا پڑھنا بھی ہمارے سپرد ہے،

بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے،

بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ پھر جب وحی اترتی آپ نظریں نیچی کر لیتے اور جب وحی چلی جاتی آپ پڑھتے،

ابن ابی حاتم میں بھی بہ روایت ابن عباسؓ یہ حدیث مروی ہے اور بہت سے مفسرین سلف صالحین نے یہی فرمایا ہے، یہ بھی مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو میں بھول جاؤں اس پر یہ آیتیں اتریں،

حضرت ابن عباسؓ اور عطیہ عوفیؒ فرماتے ہیں اس کا بیان ہم پر ہے یعنی حلال حرام کا واضح کرنا،

حضرت قتادہؒ کا قول بھی یہی ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ (٢٠)

نہیں نہیں تم جلدی ملنے والی (دنیا) کی محبت رکھتے ہو۔

وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ (٢١)

اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو

پھر فرمان ہوتا ہے کہ ان کافروں کو قیامت کے انکار، اللہ کی پاک کتاب کو نہ ماننے اور اللہ کے عظیم الشان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز حب دنیا اور غفلت آخرت ہے، حالانکہ آخرت کا دن بڑی اہمیت والا دن ہے،

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ (٢٢)

اس روز بہت سے چہرے ترو تازہ اور بارونق ہوں گے۔

إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (٢٣)

اپنے رب کی طرف دیکھتے ہونگے

- تیسری تفسیر، مضمون اور توضیح مطلب کرانا،

تینوں کی کفالت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی،

جیسے اور جگہ ہے:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا (۲۰:۱۱۴)

تو قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر اس سے پہلے کہ تیری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے، ہاں یہ دعا کر کہ پروردگار میرا علم بڑھا

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (۱۷)

اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے

اللہ فرماتا ہے اسے تیرے سینے میں جمع کرنا اور اسے تجھ سے پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے،

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (۱۸)

ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (۱۹)

پھر اس کا واضح کر دینا ہمارا ذمہ ہے۔

جب ہم اسے پڑھیں یعنی ہمارا نازل کردہ فرشتہ جب اسے تلاوت کرے تو تو سن لے جب وہ پڑھ چکے تب تو پڑھ ہماری مہربانی سے تجھے پورا یاد ہو گا اتنا ہی نہیں بلکہ حفظ کرانے تلاوت کرانے کے بعد ہم تجھے اس کی معنی مطالب تعین و توضیح کے ساتھ سمجھا دیں گے تاکہ ہماری اصلی مراد اور صاف شریعت سے تو پوری طرح آگاہ ہو جائے،

مسند میں ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے پہلے وحی کو دل میں اتارنے کی سخت تکلیف ہوتی تھی اس ڈر کے مارے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں فرشتے کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے اور آپ کے ہونٹ ہلتے جاتے تھے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ راوی حدیث نے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھایا کہ اس طرح اور ان کے شاگرد سعیدؒ نے بھی اپنے استاد کی طرح ہلا کر اپنے شاگرد کو دکھائے اس پر یہ آیت اتری کہ

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ ۖ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ (۵۸:۱۸)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اللہ تعالیٰ) کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کسی (دلیل) پر ہیں

قیامت کے دن اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھا کھا کر سچا ہونا چاہیں گے جیسے دنیا میں تمہارے سامنے ان کی حالت ہے لیکن اللہ پر تو ان کا جھوٹ ظاہر ہے چاہے کتنا ہی وہ اپنی تیئں کچھ بھی سمجھتے رہیں، غرض عذر معذرت انہیں قیامت کے دن کچھ کار آمد نہ ہو گا، جیسے اور جگہ فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ (۴۰:۵۲)

ظالموں کو اس دن ان کی معذرت کچھ کام نہ آئے گی

اور جگہ ہے:

فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِن سُوءٍ (۱۶:۲۸)

اس وقت وہ جھک جاتے ہیں کہ ہم برائی نہیں کرتے تھے

اور جگہ ہے:

وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ (۶:۲۳)

قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے

یہ تو اپنے شرک کے ساتھ اپنی تمام بداعمالیوں کا بھی انکار کر دیں گے لیکن بے سود ہو گا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ (۱۶)

(اے نبی) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔

یہاں اللہ عزوجل اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتا ہے کہ فرشتے سے وحی کس طرح حاصل کریں، آنحضور ﷺ اس کو اخذ کرنے میں بہت جلدی کرتے تھے اور قرأت میں فرشتے کے بالکل ساتھ ساتھ رہتے تھے، پس اللہ عزوجل حکم فرماتا ہے کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے آپ سنتے رہیں، پھر جس ڈر سے آپ ایسا کرتے تھے اسی طرح اس کا واضح کرانا اور تفسیر اور بیان آپ سے کرانے کے ذمہ داری بھی ہم ہی پر ہے، پس

- پہلی حالت یاد کرانا،
- دوسری تلاوت کرانا،

وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا (۱۸:۴۹)

جو کیا تھا، موجود پالیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ (۱۴)

بلکہ انسان خود اپنے اوپر حجت ہے۔

وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ (۱۴)

اگرچہ کتنے ہی بہانے پیش کرے۔

انسان اپنے آپ کو بخوبی جانتا ہے اپنے اعمال کا خود آئینہ ہے گو انکار کرے اور عذر معذرت پیش کرتا پھرے، جیسے فرمان ہے:

اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا (۱۷:۱۴)

لے! خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لے۔ آج تو تو آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے۔

اس کے کان آنکھ، پاؤں اور دیگر اعضاء ہی اس پر شہادت دینے کافی ہیں، لیکن افسوس کہ یہ دوسروں کے عیبوں اور نقصانوں کو دیکھتا ہے اور اپنے کیڑے چننے سے غافل ہے، کہا جاتا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے:

اے ابن آدم! تو دوسروں کی آنکھوں کا تو تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تجھے دکھائی نہیں دیتا؟

قیامت کے دن چاہے انسان فضول بہانے بنائے گا اور جھوٹی دلیلیں دے گا بے کار عذر پیش کرے گا مگر ایک بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

اس آیت کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ پردے ڈالے۔

اہل یمن پردے کو عذر کہتے ہیں،

لیکن صحیح معنی اوپر والے ہیں جیسے اور جگہ ہے:

ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ (۶:۲۳)

پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہو گا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے

اور جگہ ہے:

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (۹)

اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے۔

اور سورج چاند جمع کر دیئے جائیں گے یعنی دونوں کو بے نور کر کے لپیٹ لیا جائے گا، جیسے فرمایا:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ (۸۱:۱،۲)

جب سورج لپیٹ میں آ جائے گا اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے

حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں وَجُمِعَ بَيْنَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ہے،

يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ (۱۰)

اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔

انسان جب یہ پریشانی شدت ہول گھبراہٹ اور انتظام عالم کی یہ خطرناک حالت دیکھے گا تو بھاگا جائے گا اور کہے گا کہ جائے پناہ یعنی بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟

كَلَّا لَا وَزَرَ (۱۱)

نہیں نہیں کوئی پناہ گاہ نہیں۔

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ (۱۲)

آج تیرے پروردگار کی طرف ہی قرار گاہ ہے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کوئی پناہ نہیں رب کے سامنے اور اس کے پاس ٹھہرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، جیسے اور جگہ ہے:

مَا لَكُم مِّن مَّلْجَإٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُم مِّن نَّكِيرٍ (۴۲:۴۷)

آج نہ تو کوئی جائے پناہ ہے نہ ایسی جگہ کہ وہاں جا کر تم انجان اور بے پہچان بن جاؤ،

يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ (۱۳)

آج انسان کو اس کے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا

آج ہر شخص کو اس کے اگلے پچھلے نئے پرانے چھوٹے بڑے اعمال سے مطلع کیا جائے گا، جیسے فرمان ہے:

پھر فرمایا کہ انسان اپنے آگے فسق و فجور کرنا چاہتا ہے یعنی قدم بہ قدم بڑھ رہا ہے، امیدیں باندھے ہوئے ہے، کہتا جاتا ہے کہ گناہ کرتولوں توبہ بھی ہو جائے گی قیامت کے دن سے جو اس کے آگے ہے کفر کرتا ہے، وہ گویا اپنے سر پر سوار ہو کر آگے بڑھ رہا ہے، ہر وقت یہی پایا جاتا ہے کہ ایک ایک قدم اپنے نفس کو اللہ کی معصیت کی طرف بڑھاتا جاتا ہے مگر جن پر رب کا رحم ہے،

اکثر سلف کا قول اس آیت کی تفسیر میں یہی ہے کہ گناہوں میں جلدی کرتا ہے اور توبہ میں تاخیر کرتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو یوم حساب کا منکر ہے، ابن زیدؒ بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ظاہر مراد ہے کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ وہ پوچھتا ہے قیامت کب ہو گی،

يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ (٦)

پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا

اس کا یہ سوال بھی بطور انکار کے ہے یہ جانتا ہے کہ قیامت کا آنا محال ہے، جیسے اور جگہ ہے:

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

قُلْ لَكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ (٣٤:٢٩،٣٠)

کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتا دو کہ قیامت کب آئے گی؟

ان سے کہہ دے کہ اس کا ایک دن مقرر ہے جس سے نہ تم ایک ساعت آگے بڑھ سکو گے نہ پیچھے ہٹ سکو گے۔

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ (٧)

پس جس وقت کہ نگاہ پتھرا جائے گی۔

یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب آنکھیں پتھرا جائیں گی، جیسے اور جگہ ہے:

لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ (١٤:٤٣)

پلکیں جھپکیں گی نہیں بلکہ رعب و دہشت خوف و وحشت کے مارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتے رہیں گے،

بَرِقَ کی دوسری قرأت بَرَقَ بھی ہے، معنی قریب قریب ہیں

وَخَسَفَ الْقَمَرُ (٨)

اور چاند بے نور ہو جائے گا

یہ بھی مروی ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق قیامت کے دن اپنے تئیں ملامت کرے گی، خیر والے خیر کی کمی پر اور شر والے شر کے سرزد ہونے پر، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مذموم نفس ہے جو نافرمان ہو، فوت شدہ پر نادم ہونے والا اور اس پر ملامت کرنے والا،

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ سب اقوال قریب قریب ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ نفس والا ہے جو نیکی کی کمی پر برائی کے ہو جانے پر اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور فوت شدہ پر ندامت کرتا ہے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ (٣)

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کریں گے ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انسان یہ سوچ ہوئے ہے کہ ہم قیامت کے دن اس کی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے،

بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ (٤)

ہاں ضرور کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی پور پور تک درست کر دیں۔

یہ تو نہایت غلط خیال ہے ہم اسے متفرق جگہ سے جمع کر کے دوبارہ کھڑا کریں گے اور اس کی بالشت بالشت بنا دیں گے۔

ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی ہم قادر ہیں کہ اسے اونٹ یا گھوڑے کے تلوے کی طرح بنا دیں،

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یعنی دنیا میں بھی اگر ہم چاہتے اسے ایسا کر دیتے،

آیت کے لفظوں سے تو ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قَادِرِينَ حال ہے نَجْمَعَ سے یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے ہاں ہاں ہم عنقریب جمع کریں گے درآنحالیکہ ہمیں ان کے جمع کرنے کی قدرت ہے بلکہ اگر ہم چاہیں تو جتنا یہ تھا اس سے بھی کچھ زیادہ بنا کر اسے اٹھائیں اس کی انگلیوں کے سرے تک برابر کر کے پیدا کریں۔ ابن قتیبہؒ اور زجاجؒ کے قول کے یہی معنی ہیں۔

بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ (٥)

بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آگے آگے نافرمانیاں کرتا جائے

Surah Qiyamah

سورۃ القِیَامَۃِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ﴿۱﴾

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔

وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ﴿۲﴾

اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو۔

یہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ جس چیز پر قسم کھائی جائے اگر وہ رد کرنے کی چیز ہو تو قسم سے پہلے لا کا کلمہ نفی کی تائید کے لئے لانا جائز ہوتا ہے یہاں قیامت کے ہونے پر اور جاہلوں کے اس قول کی تردید پر قیامت نہ ہوگی قسم کھائی جارہی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے ملامت کرنے والی جان کی،

حضرت حسنؒ تو فرماتے ہیں قیامت کی قسم ہے اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں ہے،

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں دونوں کی قسم ہے،

حسنؒ اور اعرجؒ کی قرأت لا قسم بیوم القیامته ہے اس سے بھی حضرت حسنؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک پہلے کی قسم ہے اور دوسرے کی نہیں،

لیکن صحیح قول یہی ہے کہ دونوں کی قسم کھائی ہے جیسے کہ حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے، ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے اور امام ابن جریرؒ کا مختار قول بھی یہی ہے۔

یوم قیامت کو تو ہر شخص جانتا ہی ہے،

النَّفْسِ اللَّوَّامَةِ کی تفسیر میں حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مؤمن کا نفس ہے وہ ہر وقت اپنے تئیں ملامت ہی کرتا رہتا ہے کہ یوں کیوں کہہ دیا؟ یہ کیوں کھالیا؟ یہ خیال دل میں کیوں آیا؟

ہاں فاسق فاجر غافل ہوتا ہے اسے کیا پڑی جو اپنے نفس کو روکے،

تمہاری چاہتیں اللہ کی چاہت کی تابع ہیں۔ جیسے فرمان ہے:

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ (٧٦:٣٠)

اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے

هُوَ أَهْلُ التَّقْوَى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (٥٦)

وہ اسی لائق ہے کہ اس سے ڈریں اور اس لائق بھی کہ وہ بخشے۔

پھر فرمایا اسی کی ذات اس قابل ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے اور وہی ایسا ہے کہ ہر رجوع کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے،

مسند احمد میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا:

تمہارا رب فرماتا ہے میں اس کا حقدار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے جو میرے ساتھ شریک بنانے سے بچ گیا تو وہ میری بخشش کا مستحق ہو گیا،

ابن ماجہ اور نسائی اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے

اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن غریب کہتے ہیں، سہیل اس کا راوی قوی نہیں

****

كَلَّا ۚ

ہر گز ایسا نہیں (ہو سکتا)

پھر فرماتا ہے یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان میں کے ہر شخص پر علیحدہ علیحدہ کتاب اترے جیسے اور جگہ ان کا مقولہ ہے:

وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۘ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (٦:١٢٣)

جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہر گز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ وہ نہ دیئے جائیں جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ رسالت کے قابل کون ہے؟ اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم بغیر عمل کے چھٹکارا دیئے جائیں،

بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ (٥٣)

بلکہ یہ قیامت سے بے خوف ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل وجہ یہ ہے کہ انہیں آخرت کا خوف ہی نہیں کیونکہ انہیں اس کا یقین نہیں اس پر ایمان نہیں بلکہ اسے جھٹلاتے ہیں تو پھر ڈرتے کیوں؟

كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ (٥٤)

سچی بات تو یہ ہے کہ یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے

فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ (٥٥)

اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

پھر فرمایا سچی بات تو یہ ہے کہ یہ قرآن محض نصیحت و موعظت ہے جو چاہے عبرت حاصل کر لے اور نصیحت پکڑ لے،

وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ

اور وہ اس وقت نصیحت حاصل کریں گے جب اللہ تعالیٰ چاہے

یقین کے معنی موت کے اس آیت میں بھی ہیں:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ (۱۵:۹۹)

اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی نسبت حدیث میں بھی یقین کا لفظ آیا ہے،

فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ (۴۸)

پس انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی

اب اللہ مالک الملک فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کو کسی کی سفارش اور شفاعت نفع نہ دے گی اس لئے کہ شفاعت وہاں نافع ہو جاتی ہے جہاں محل شفاعت ہو لیکن جن کا دم ہی کفر پر نکلا ہو ان کے لئے شفاعت کہاں؟ وہ ہمیشہ کے لئے (ھاویہ) میں گئے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ (۴۹)

انہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔

كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ (۵۰)

گویا کہ وہ بھکے ہوئے گدھے ہیں۔

فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ (۵۱)

جو شیر سے بھاگے ہوں۔

پھر فرمایا کیا بات ہے کہ کونسی وجہ ہے کہ یہ کافر تیری نصیحت اور دعوت سے منہ پھیر رہے ہیں اور قرآن و حدیث سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری شیر سے،

فارسی زبان میں جسے شیر کہتے ہیں اسے عربی میں اسد کہتے ہیں

اور حبشی زبان میں قسورہ کہتے ہیں۔

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (۵۲)

بلکہ ان میں سے ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں

عَنِ الْمُجْرِمِينَ (۴۱)

جہنمیوں سے

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ (۴۲)

تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں قیامت کے دن جکڑا بندھا ہو گا لیکن جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ آیا وہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھ ہوئے جہنمیوں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ (۴۳)

وہ جواب دیں گے ہم نمازی نہ تھے۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ (۴۴)

نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔

وہ جواب دیں گے کہ ہم نے نہ تو رب کی عبادت کی نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ (۴۵)

اور ہم بحث کرنے والے (انکاریوں) کا ساتھ دے کر بحث مباحثہ میں مشغول رہا کرتے تھے

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ (۴۶)

اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔

حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ (۴۷)

یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔

بغیر علم کے جو زبان پر آیا بکتے رہے جہاں کسی کو اعتراض کرتے سنا ہم بھی ساتھ ہو گئے اور باتیں بنانے لگ گئے اور قیامت کے دن کی تکذیب ہی کرتے رہے یہاں تک کہ موت آگئی،

وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ (٣٣)

اور رات جب وہ پیچھے ہٹے۔

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ (٣٤)

اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے،

پھر چاند کی رات کے جانے کی صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ

إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ (٣٥)

کہ (یقیناً وہ جہنم) بڑی چیزوں میں سے ایک ہے

وہ آگ ایک زبردست اور بہت بڑی چیز ہے،

نَذِيرًا لِلْبَشَرِ (٣٦)

بنی آدم کو ڈرانے والی۔

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ (٣٧)

(یعنی) اسے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہئے۔

جو اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کی راہ لگنا چاہے لگ جائے۔ جو چاہے اس کے باوجود حق کو پیٹھ ہی دکھاتا رہے، اس سے دور بھاگتا رہے، یا اسے رد کرتا رہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (٣٨)

ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے

إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ (٣٩)

مگر دائیں ہاتھ والے

فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ (٤٠)

اہل جنت بالا خانوں میں بیٹھے وہ سوال کرتے ہونگے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اور کون آئے گا آجامیں تیار ہوں، چنانچہ کُشتی ہونے لگی اور حضرت عمرؓ نے اسے پچھاڑا پھر اس کے منہ کو مٹی میں مل دیا اور اتنے میں حضرت عثمان بن عفانؓ آگئے اور اسے ان کے ہاتھ سے چھڑا دیا حضرت عمرؓ بڑا بگڑے اور اسی غصہ کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے،

آپ ﷺ نے دیکھتے ہی فرمایا ابو حفص آج کیا بات ہے؟ انہوں نے کُل واقعہ کہہ سنایا آپؐ نے فرمایا اگر عمر اس سے خوش ہوتا تو اس پر رحم کرتا، خدا کی قسم میرے نزدیک تو اس خبیث کا سر تو اتار لیتا تو اچھا تھا، یہ سنتے حضرت عمرؓ یونہی وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی طرف لپکے،

خاصی دور نکل چکے تھے جو حضورؐ نے انہیں آواز دی اور فرمایا بیٹھو سن تو لو کہ خدا ابو جحش کی نماز سے بالکل بے نیاز ہے، آسمان دنیا میں خشوع و خضوع والے بے شمار فرشتے اللہ کے سامنے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں جو قیامت کو سجدے سے سر اٹھائیں گے اور یہ کہتے ہوئے حاضر ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا، اسی طرح دوسرے آسمان میں بھی یہی حال ہے،

حضرت عمرؓ نے سوال کیا حضورؐ ان کی تسبیح کیا ہے؟ فرمایا آسمان دنیا کے فرشتے تو کہتے ہیں سبحان ذی الملک و الملکوت اور دوسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سبحان ذی العزۃ و الجبروت اور تیسرے آسمان کے فرشتے کہتے ہیں سبحان الحی الذی لا یموت عمر تم بھی اپنی نماز میں اسے کہا کرو، حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اس سے پہلے جو پڑھنا آپ نے سکھایا ہے اور جس کے پڑھنے کو فرمایا ہے اس کا کیا ہو گا، کہا کبھی یہ کہو کبھی وہ پڑھو پہلے جو پڑھنے کو آپؐ نے فرمایا تھا وہ یہ تھا

اعوذ بعفوک من عقابک و اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بک منک حل وجھک

خدایا تیرے عذابوں سے میں تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں اور تیرا چہرہ جلال والا ہے۔

اور اسحٰق مروزیؒ جو راوی حدیث ہیں اس سے حضرت امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں اور امام ابن حبانؒ بھی انہیں ثقہ راویوں میں گنتے ہیں لیکن امام ابو داؤدؒ، امام نسائیؒ، امام عقیلیؒ، اور امام دار قطنیؒ انہیں ضعیف کہتے ہیں

وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ (٣١)

یہ تو کل بنی آدم کے لیے سراسر پند و نصیحت ہے۔

پھر فرماتا ہے یہ آگ جس کا وصف تم سن چکے یہ لوگوں کے لئے سراسر باعث عبرت و نصیحت ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ (٣٢)

قسم ہے چاند کی

یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن غریب بتاتے ہیں اور حضرت ابوذرؓ سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے،

طبرانی میں ہے:

ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے کی بالشت بھر یا ہتھیلی جتنی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام کی یا رکوع کی یا سجدے کی حالت میں نہ ہو پھر بھی یہ سب کل قیامت کے دن کہیں گے کہ اللہ تو پاک ہے ہمیں جس قدر تیری عبادت کرنی چاہئے تھی اس قدر ہم سے ادا نہیں ہو سکتی، البتہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا،

امام محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے:

حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے سوال کیا کہ کیا جو میں سن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تو کچھ سنائی نہیں دیتا، آپ ﷺ نے فرمایا:

آسمانوں کا چرچر بولنا میں سن رہا ہوں اور وہ اس چرچراہٹ پر ملامت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس پر اس قدر فرشتے ہیں کہ ایک بالشت بھر جگہ خالی نہیں کہیں کوئی رکوع میں ہے اور کہیں کوئی سجدے میں،

دوسری روایت میں ہے کہ آسمان دنیا میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں سجدے میں یا قیام میں کوئی فرشتہ نہ ہو، اسی لئے فرشتوں کا یہ قول قرآن کریم میں موجود ہے۔

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ (۳۷:۱۶۴،۱۶۶)

ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ مقرر ہے اور ہم تو (بندگی الٰہی میں) صف بستہ کھڑے ہیں اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں

اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت ہی غریب ہے،

دوسری روایت میں یہ قول حضرت ابن مسعودؓ کا بیان کیا گیا ہے،

ایک اور سند سے یہ روایت حضرت ابن علاء بن سعدؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے یہ صحابی فتح مکہ میں اور اس کے بعد کے جہادوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لیکن سنداً یہ بھی غریب ہے۔

ایک اور بہت ہی غریب بلکہ سخت منکر حدیث میں ہے:

حضرت عمر فاروقؓ آئے نماز کھڑی ہوئی تھی اور تین شخص بیٹھے ہوئے تھے جن میں ایک ابو جحش لیثی تھا آپ نے فرمایا اٹھو، حضور ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ، تو دو شخص تو کھڑے ہو گئے لیکن ابو جحش کہنے لگا اگر کوئی ایسا شخص آئے جو طاقت اور قوت میں مجھ سے زیادہ ہو اور مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے گرا دے پھر میرا منہ مٹی میں ملا دے تو میں اٹھوں گا ورنہ بس اٹھ چکا،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہے اور بہت سے لوگوں کے شبہ والے دل اور ڈانواڈول ہو جاتے ہیں،

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ

تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا

اللہ کے یہ سب کام حکمت سے اور اسرار سے ہیں، تیرے رب کے لشکروں کی گنتی اور ان کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں وہی خوب جانتا ہے یہ نہ سمجھ لینا کہ بس انیس ہی ہیں، جیسے یونانی فلسفیوں اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی جہالت و ضلالت کی وجہ سے سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں حالانکہ یہ مجرد ان کا دعویٰ ہے جس پر دلیل قائم کرنے سے وہ بالکل عاجز ہیں افسوس کہ آیت کے اول پر تو ان کی نظریں ہیں لیکن آخری حصہ کے ساتھ وہ کفر کر رہے ہیں جہاں صاف الفاظ موجود ہیں کہ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر صرف انیس کے کیا معنیٰ؟

بخاری و مسلم کی معراج والی حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وہ ساتویں آسمان پر ہے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے جاتے ہیں اسی طرح دوسرے روز دوسرے ستر ہزار فرشتے، اسی طرح ہمیشہ تک لیکن فرشتوں کی تعداد اس قدر کثیر ہے کہ جو آج گئے ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آنے کی،

مسند احمد میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچرا رہے ہیں اور انہیں چرچرانے کا حق ہے۔ ایک انگلی ٹکانے کی جگہ ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدے میں نہ پڑا ہو۔ اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تم بہت کم ہنستے، بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لذت نہ پاسکتے بلکہ فریاد و زاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے۔

اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل جاتا کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا،

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو الاشدین جس کا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا اس نے اس گنتی کو سن کر کہا کہ قریشیو تم سب مل کر ان میں سے دو کو روک لینا باقی سترہ کو میں کافی ہوں، یہ بڑا مغرور شخص تھا اور ساتھ ہی بڑا قوی تھا یہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا پھر دس طاقتور شخص مل کر اسے اس کے پیروں تلے سے نکالنا چاہتے کھال کے ٹکڑے اڑ جاتے لیکن اس کے قدم جنبش بھی نہ کھاتے، یہی شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر کہا تھا کہ آپ مجھ سے کُشتی لڑیں اگر آپ نے مجھے گرا دیا تو میں آپ کی نبوت کو مان لوں گا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کُشتی کی اور کئی بار گرایا لیکن اسے ایمان لانا نصیب نہ ہوا،

امام ابن اسحاق نے کُشتی والا واقعہ رکانہ بن عبدیزید بن ہاشم بن عبدالمطلب کا بتایا ہے،

میں کہتا ہوں ان دونوں میں کچھ تفاوت نہیں (ممکن ہے دونوں سے کشتی ہوئی ہو)۔ واللہ اعلم

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں

وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ

اور ایماندار ایمان میں اور بڑھ جائیں اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں

پھر فرمایا کہ اس گنتی کا ذکر تھا ہی امتحان کے لئے، ایک طرف کافروں کا کفر کھل گیا، دوسری جانب اہل کتاب کا یقین کامل ہو گیا، کہ اس رسول کی رسالت حق ہے کیونکہ خود ان کی کتاب میں بھی یہی گنتی ہے،

تیسری طرف ایماندار اپنے ایمان میں مزید توانا ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی تصدیق کی اور ایمان بڑھایا، اہل کتاب اور مسلمانوں کو کوئی شک شبہ نہ رہا،

وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ

اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ کافر کہیں کہ اس بیان سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟

بیمار دل اور منافق چیخ اٹھے کہ بھلا بتاؤ کہ اسے یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ

اس طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

چندیہودیوں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ پھر کسی شخص نے آکر حضور اکرم ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا اسی وقت آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی آپ نے صحابہؓ کو سنا دی، اور کہا ذرا انہیں میرے پاس تو لاؤ میں بھی ان سے پوچھوں کہ جنت کی مٹی کیا ہے؟ سنو وہ سفید میدہ کی طرح ہے،

پھر یہودی آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ سے پوچھا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو دفعہ جھکائیں دوسری دفعہ میں انگوٹھا روک لیا یعنی انیس۔

پھر فرمایا تم بتلاؤ کے جنت کی مٹی کیا ہے؟ انہوں نے ابن سلام سے کہا آپ ہی کہئے، ابن سلام نے کہا گویا وہ سفید روٹی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا یاد رکھو یہ سفید روٹی وہ جو خالص میدے کی ہو (ابن ابی حاتم)

مسند بزار میں ہے:

جس شخص نے حضور ﷺ کو صحابہ کے لاجواب ہونے کی خبر دی تھی اس نے آکر کہا تھا کہا آج تو آپ کے اصحاب ہار گئے، پوچھا کیسے؟ اس نے کہا ان سے جواب نہ بن پڑا اور کہنا پڑا کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں، آپ ﷺ نے فرمایا بھلا وہ ہارے ہوئے کیسے کہے جاسکتے ہیں؟ جن سے جو بات پوچھی جاتی ہے اگر وہ نہیں جانتے تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ کر جواب دیں گے۔ ان یہودیوں کو دشمنان الٰہی کو ذرا میرے پاس تو لاؤ ہاں انہوں نے اپنے نبی سے اللہ کو دیکھنے کا سوال کیا تھا اور ان پر عذاب بھیجا گیا تھا۔

اب یہود بلوائے گئے جواب دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر یہ بڑے چکرائے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً

ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے رکھے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عذاب دینے پر اور جہنم کی نگہبانی پر ہم نے فرشتے ہی مقرر کئے ہیں جو سخت بے رحم اور سخت کلامی کرنے والے ہیں۔ اس میں مشرکین قریش کی تردید ہے انہیں جس وقت جہنم کے داروغوں کی گنتی بتلائی گئی تو ابو جہل نے کہا اے قریشیوں یہ اگر انیس ہیں تو زیادہ سے زیادہ ایک سو نوے ہم مل کر انہی ہرا دیں گے اس پر کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتے ہیں انسان نہیں انہیں نہ تم ہرا سکو نہ تھکا سکو،

دارالندوہ میں بیٹھ کر ان سب لوگوں نے مشورہ کیا کہ موسم حج پر چاروں طرف سے لوگ آئیں گے تو بتاؤ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیا کہیں؟ کوئی ایسی تجویز کرو کہ سب بہ یک زبان وہی بات کہیں تا کہ عرب بھر میں اور پھر ہر جگہ بھی وہی مشہور ہو جائے تو اب کسی نے شاعر کہا کسی نے جادوگر کہا کسی نے کاہن اور نجومی کہا کسی نے مجنون اور دیوانہ کہا، ولید بیٹھا سوچتا رہا اور غور وفکر کر کے دیکھ بھال کر تیوری چڑھا اور منہ بنا کر کہنے لگا جادوگروں کا قول ہے جسے یہ نقل کر رہا ہے،

سَأُصْلِيهِ سَقَرَ (۲٦)

میں عنقریب اس دوزخ میں ڈالوں گا۔

اب اس کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں انہیں جہنم کی آگ میں غرق کر دونگا،

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ (۲۷)

اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے۔

لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ (۲۸)

نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے

جو زبردست خوفناک عذاب کی آگ ہے جو گوشت پوست کو رگ پٹھوں کو کھا جاتی ہے پھر یہ سب تازہ پیدا کئے جاتے ہیں اور پھر زندہ کئے جاتے ہیں نہ موت آئے نہ راحت والی زندگی لے،

لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ (۲۹)

کھال کو جھلسا دیتی ہے۔

کھال ادھیڑ دینے والی وہ آگ ہے ایک ہی لپک میں جسم کو رات سے زیادہ سیاہ کر دیتی وہ جسم و جلد کو بھون جھلس دیتی ہے،

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (۳۰)

اور اس میں انیس (فرشتے مقرر) ہیں۔

انیس انیس داروغے اس پر مقرر ہیں جو نہ تھکیں نہ رحم کریں،

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ولید کہنے لگا او ہو میرے خاندان میں میری نسبت یہ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں مجھے مطلق معلوم نہ تھا اچھا اب قسم اللہ کی نہ میں ابو بکر کے پاس جاؤں نہ عمر کے پاس نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یعنی ذَرۡنِي وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِيدٗا (۱۱)۔۔۔ لَا تُبۡقِي وَلَا تَذَرُ (۲۸)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اس نے کہا تھا:

قرآن کے بارے میں بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر تو نہیں اس میں حلاوت ہے، اس میں چمک ہے، یہ غالب ہے مغلوب نہیں لیکن ہے یقیناً جادو۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔

ابن جریر میں ہے:

ولید حضور علیہ السلام کے پاس آیا تھا اور قرآن سن کر اس کا دل نرم پڑ گیا تھا اور پورا اثر ہو چکا تھا جب ابو جہل کو یہ معلوم ہوا تو دوڑا بھاگا آیا اور اس ڈر سے کہ کہیں یہ کھلم کھلا مسلمان نہ ہو جائے اس بھڑکانے کے لئے جھوٹ موٹ کہنے لگا کہ چچا آپ کی قوم آپ کے لئے مال جمع کرنا چاہتی ہے، پوچھا کیوں؟

کہا اس لئے کہ آپ کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کا جانا چھڑوائیں کیونکہ آپ وہاں مال حاصل کرنے کی غرض سے ہی جاتے آتے ہیں اس نے غصہ میں آکر کہا میری قوم کو معلوم نہیں کہ میں ان سب سے زیادہ مالدار ہوں؟

ابو جہل نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن اس وقت تو لوگوں کا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مال حاصل کرنے کی غرض سے آپ اسی کے ہو گئے ہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے تو آپ اس کے بارے میں کچھ سخت الفاظ کہیں تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ آپ اس کے مخالف ہیں اور آپ کو اس سے کوئی طمع نہیں،

اس نے کہا بھئی بات تو یہ ہے کہ اس نے جو قرآن مجھے سنایا ہے قسم ہے اللہ کی نہ وہ شعر ہے نہ قصیدہ ہے اور نہ رجز ہے، نہ جنات کا قول اور نہ ان کے اشعار ہیں۔ تمہیں خوب معلوم ہے کہ جنات اور انسان کا کلام مجھے خوب یاد ہے میں خود نامی شاعر ہوں کلام کے حسن و قبح سے خوب واقف ہوں لیکن اللہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اس میں سے کچھ بھی نہیں اللہ جانتا ہے اس میں عجب حلاوت مٹھاس لذت شیفتگی اور دلیری ہے وہ تمام کلاموں کا سردار ہے اس کے سامنے اور کوئی کلام جچتا نہیں وہ سب پر چھا جاتا ہے اس میں کشش بلندی اور جذب ہے، اب تم ہی بتاؤ کہ میں اس کلام کی نسبت کیا کہوں؟

ابو جہل نے کہا سنو جب تک تم اسے برائی کے ساتھ یاد نہ کرو گے تمہاری قوم کے خیالات تمہاری نسبت صاف نہیں ہوں گے،

اس نے کہا اچھا تو مجھے مہلت دو میں سوچ کر اس کی نسبت کوئی ایسا کلمہ کہہ دوں گا چنانچہ سوچ سوچ کر قومی حمیت اور ناک رکھنے کی خاطر اس نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے جسے وہ نقل کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں یعنی ذَرۡنِي وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِيدٗا (۱۱)۔۔۔ لَا تُبۡقِي وَلَا تَذَرُ (۲۸)

سدیؒ کہتے ہیں:

ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (۲۳)

پھر پیچھے ہٹ گیا اور غرور کیا

کتنا بد کلام، بری سوچ، کتنی بے حیائی سے جھوٹ بات گھڑ لی، اور بار بار غور و فکر کے بعد پیشانی پر بل ڈال کر، منہ بگاڑ کر، حق سے ہٹ کر بھلائی سے منہ موڑ کر اطاعت اللہ سے منہ پھیر کر، دل کڑا کر کے کہہ دیا کہ

فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ (۲۴)

اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے

إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (۲۵)

سوائے انسانی کلام کے کچھ بھی نہیں۔

یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے لوگوں کا جادو کا منتر نقل کر لیا کرتے ہیں اور اسی کو سنا رہے ہیں یہ کلام اللہ کا نہیں بلکہ انسانی قول ہے اور جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے،

اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا، قریش کا سردار تھا،

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے:

ایک مرتبہ یہ ولید پلید حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ کچھ قرآن سنائیں حضرت صدیق اکبرؓ نے چند آیتیں پڑھ سنائیں جو اس کے دل میں گھر کر گئیں جب یہاں سے نکلا اور کفار قریش کے مجمع میں پہنچا تو کہنے لگا, لوگو! تعجب کی بات ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن پڑھتے ہیں اللہ کی قسم نہ تو وہ شعر ہے نہ جادو کا منتر ہے نہ مجنونانہ بڑ ہے بلکہ واللہ وہ تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے اس میں کوئی شک نہیں،

قریشیوں نے یہ سن کر سر پکڑ لیا اور کہنے لگے اگر یہ مسلمان ہو گیا تو بس پھر قریش میں سے ایک بھی بغیر اسلام لائے باقی نہ رہے گا،

ابو جہل کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا گھبراؤ نہیں دیکھو میں ایک ترکیب سے اسے اسلام سے پھیر دوں گا یہ کہتے ہی اپنے ذہن میں ایک ترکیب سوچ کر یہ ولید کے گھر پہنچا اور کہنے لگا آپ کی قوم نے آپ کے لئے چندہ کر کے بہت سامال جمع کر لیا ہے اور وہ آپ کو صدقہ میں دینے والے ہیں، اس نے کہا واہ کیا مزے کی بات ہے مجھے ان کے چندوں اور صدقوں کی کیا ضرورت ہے دنیا جانتی ہے کہ ان سب میں مجھ سے زیادہ مال و اولاد والا کوئی نہیں،

ابو جہل نے کہا یہ تو ٹھیک ہے لیکن لوگوں میں ایسی باتیں ہو رہی ہیں کہ آپ جو ابو بکرؓ کے پاس آتے جاتے ہیں وہ صرف اس لئے کہ ان سے کچھ حاصل وصول ہو،

یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے غریب کہتے ہیں، ساتھ ہی اس میں نکارت بھی ہے،

ابن ابی حاتم میں ہے کہ صَعُود جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو آگ کا ہے اسے مجبور کیا جائے گا اس پر چڑھے ہاتھ رکھتے ہی راکھ ہو جائے گا اور اٹھاتے ہی بدستور ویسا ہی ہو جائے گا، اسی طرح پاؤں بھی،

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جہنم کی ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر اپنے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا،

سدیؒ کہتے ہیں یہ پتھر بڑا اپھسلنا ہے،

مجاہدؒ کہتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم اسے مشقت والا عذاب دیں گے، قتادہؒ فرماتے ہیں ایسا عذاب جس میں اور جس سے کبھی بھی راحت نہ ہو، امام جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (۱۸)

اس نے غور کر کے تجویز کی

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (۱۹)

اسے ہلاکت ہو کیسی (تجویز) سوچی؟

پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اس تکلیف دہ عذاب سے اس لئے قریب کر دیا کہ وہ ایمان سے بہت دور تھا وہ سوچ سوچ کر خود ساختہ دنیا میں رہتا تھا کہ وہ قرآن کی مانند کہے اور بات بنائے،

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (۲۰)

وہ پھر غارت ہو کس طرح اندازہ کیا۔

پھر اس پر افسوس کیا جاتا ہے اور محاورہ عرب کے مطابق اس کی ہلاکت کے کلمے کہے جاتے ہیں کہ یہ غارت کر دیا جائے،

ثُمَّ نَظَرَ (۲۱)

اس نے پھر دیکھا

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (۲۲)

پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا

وَبَنِينَ شُهُودًا (١٣)

اور حاضر باش فرزند بھی

اور باعتبار بعض اقوال کے تیرہ اور بعض اور اقوال کے دس لڑکے دیئے جو سب کے سب اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے نوکر چاکر لونڈی، غلام کام کاج کرتے رہتے اور یہ مزے سے اپنی زندگی اپنی اولاد کے ساتھ گزارتا،

وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا (١٤)

اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے

غرض دھن دولت لونڈی غلام بال بچے آرام آسائش ہر طرح کی مہیا تھی،

ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ (١٥)

پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔

پھر بھی خواہش نفس پوری نہیں ہوتی تھی اور چاہتا تھا کہ اللہ اور بڑھا دے،

كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا (١٦)

نہیں نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔

حالانکہ ایسا اب نہ ہو گا، یہ ہمارے احکامات کے علم کے بعد بھی کفر اور سرکشی کرتا ہے

سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا (١٧)

عنقریب میں اسے ایک سخت چڑھائی چڑھاؤں گا

اسے صَعُود پر چڑھایا جائے گا،

مسند احمد کی حدیث میں ہے:

ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر گرایا جائے گا چالیس سال تک اندر ہی اندر جاتا رہے گا لیکن پھر بھی تہہ تک نہ پہنچے گا اور صَعُود جہنم کے ایک ناری پہاڑ کا نام ہے جس پر کافر کو چڑھایا جائے گا ستر سال تک تو چڑھتا ہی رہے گا پھر وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا ستر سال تک نیچے لڑھکتا رہے گا اور اسی ابدی سزا میں گرفتار رہے گا،

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہمیں کیا ارشاد ہوتا ہے؟

فرمایا کہو حسبنا الله ونعم الوكيل على الله توكلنا

پس صور کے پھونکے جانے کا ذکر کر کے یہ فرما کر جب صور پھونکا جائے گا۔

فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ (۹)

وہ دن بڑا سخت دن ہوگا۔

عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ (۱۰)

جو کافروں پر آسان نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ دن اور وہ وقت کافروں پر بڑا سخت ہوگا جو کسی طرح آسان نہ ہوگا، جیسے اور جگہ خود کفار کا قول مروی ہے:

يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ (۵۴:۸)

یہ آج کا دن تو بیحد گراں بار اور سخت مشکل کا دن ہے،

حضرت زرارہ بن اوفی رحمتہ اللہ علیہ جو بصرے کے قاضی تھے وہ ایک مرتبہ اپنے مقتدیوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اسی سورت کی تلاوت تھی جب اس آیت پر پہنچے تو بے ساختہ زور کی ایک چیخ منہ سے نکل گئی اور گر پڑے لوگوں نے دیکھا روح پرواز ہو چکی تھی، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا (۱۱)

مجھے اور اسے چھوڑ دے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے

وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا (۱۲)

اور اسے بہت سا مال دے رکھا تھا۔

جس خبیث شخص نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا اور قرآن کو انسانی قول کہا اس کی سزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے، پہلے جو نعمتیں اس پر انعام ہوئی ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ تن تنہا خالی ہاتھ دنیا میں آیا تھا، مال اولاد دیا اور کچھ اس کے پاس نہ تھا پھر اللہ نے اسے مالدار بنا دیا، ہزاروں لاکھوں دینار، زر، زمین وغیرہ عنایت فرمائی۔

گندگی کو چھوڑ دو یعنی بتوں کو اور اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو، جیسے اور جگہ فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ (۳۳:۱)

اے نبی اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی نہ مانو،

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا اے ہارون میرے بعد میری قوم میں تم میری جانشینی کرو اصلاح کے درپے رہو اور مفسدوں کی راہ اختیار نہ کرو۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (٦)

اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر

اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے عطیہ دے کر زیادتی کے خواہاں نہ رہو،

یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اپنے نیک اعمال کا احسان اللہ پر رکھتے ہوئے حد سے زیادہ تنگ نہ کرو،

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طلب خیر میں غفلت نہ برتو،

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنی نبوت کا بار احسان لوگوں پر رکھ کر اس کے عوض دنیا طلبی نہ کرو،

یہ چار قول ہوئے، لیکن اول اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (٧)

اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر۔

پھر فرماتا ہے ان کی ایذاء پر جو راہ اللہ میں تجھے پہنچے تو رب کی رضامندی کی خاطر صبر و ضبط کر، اللہ تعالیٰ نے جو تجھے منصب دیا ہے اس پر لگا رہ اور جما رہ۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ (٨)

پس جبکہ صور میں پھونک ماری جائے گی۔

النَّاقُورِ سے مراد صور ہے، مسند احمد ابن ابی حاتم وغیرہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں کیسے راحت سے رہوں؟ حالانکہ صور والے فرشتے نے اپنے منہ میں صور لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے ہوئے حکم اللہ کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے،

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (٣)

اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کر۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (٤)

اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر

اور اپنے رب ہی کی تعظیم کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو یعنی معصیت، بدعہدی، وعدہ شکنی وغیرہ سے بچتے رہو، جیسے کہ شاعر کے شعر میں ہے:

بحمد للہ میں فسق وفجور کے لباس سے اور غدر کے رومال سے عاری ہوں،

عربی محاورے میں یہ برابر آتا ہے کہ کپڑے پاک رکھو یعنی گناہ چھوڑ دو، اعمال کی اصلاح کر لو،

یہ بھی مطلب کہا گیا ہے کہ دراصل آپ نہ تو کاہن ہیں نہ جادوگر ہیں یہ لوگ کچھ ہی کہا کریں آپ پرواہ بھی نہ کریں، عربی محاورے میں جو معصیت آلود، بدعہد ہو اسے میلے اور گندے کپڑوں والا اور جو عصمت مآب، پابند وعدہ ہو اسے پاک کپڑوں والا کہتے ہیں، شاعر کہتا ہے۔

اذا المرالمر یدنس من اللوم عرضہ فکل ردا یرتدیہ جمیل

انسان جبکہ سیاہ کاریوں سے الگ ہے تو ہر کپڑے میں وہ حسین ہے

اور یہ مطلب بھی ہے کہ غیر ضروری لباس نہ پہنو اپنے کپڑوں کو معصیت آلود نہ کرو۔ کپڑے پاک صاف رکھو، میلوں کو دھوڈالا کرو، مشرکوں کی طرح اپنا لباس ناپاک نہ رکھو۔

دراصل یہ سب مطالب ٹھیک ہیں یہ بھی وہ بھی۔

ساتھ ہی دل بھی پاک ہو، دل پر بھی کپڑے کا اطلاق کلام عرب میں پایا جاتا ہے جیسے امراء القیس کے شعر میں ہے، اور حضرت سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اپنے دل کو اور اپنی نیت کو صاف رکھو، محمد بن کعبؒ، قرظیؒ اور حسنؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ اپنے اخلاق کو اچھا رکھو۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (٥)

ناپاکی کو چھوڑ دے

گھبراہٹ کے زمین کی طرف جھک گیا اور گھر آتے ہی کہا کہ مجھے کپڑوں سے ڈھانک دو چنانچہ گھر والوں نے مجھے کپڑے اوڑھا دیئے اور سورہ مدثر کی وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ تک کی آیتیں اتریں،

ابو سلمہؓ فرماتے ہیں الرُّجْزَ سے مرادبت ہیں۔ پھر وحی برابر تابڑ توڑ گرما گرمی سے آنے لگی،

یہ لفظ بخاری کے ہیں اور یہی سیاق محفوظ ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کوئی وحی آئی تھی کیونکہ آپؐ کا فرمان موجود ہے کہ یہ وہی تھا جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام جبکہ غار میں سورہ اقراء کی آیتیں عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ تک پڑھا گئے تھے،

پھر اس کے بعد وحی کچھ زمانہ تک نہ آئی پھر جو اس کی آمد شروع ہوئی اس میں سب سے پہلے وحی سورہ مدثر کی ابتدائی آیتیں تھیں اور اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ دراصل سب سے پہلے وحی تو اقراء کی آیتیں ہیں پھر وحی کے رک جانے کے بعد کی اس سے پہلی وحی اس سورت کی آیتیں ہیں۔

اس کی تائید مسند احمد وغیرہ کی احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے کہ وحی رک جانے کے بعد کی پہلی وحی اس کی ابتدائی آیتیں ہیں،

طبرانی میں اس سورت کا شان نزول یہ مروی ہے:

ولید بن مغیرہ نے قریشیوں کی دعوت کی جب سب کھا پی چکے تو کہنے لگا بتاؤ تم اس شخص کی بابت کیا کہتے ہو؟ تو بعض نے کہا جادوگر ہے بعض نے کہا جادوگر نہیں ہے، بعض نے کہا کاہن ہے کسی نے کہا کاہن نہیں ہے، بعض نے کہا شاعر ہے بعض نے کہا شاعر نہیں ہے، بعض نے کہا اس کا یہ کلام یعنی قرآن منقول جادو ہے چنانچہ اس پر اجماع ہو گیا کہ اسے منقول جادو کہا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع پہنچی تو غمگین ہوئے اور سر پر کپڑا ڈال لیا اور کپڑا اوڑھ بھی لیا جس پر یہ آیتیں وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ تک اتریں۔

قُمْ فَأَنْذِرْ (۲)

کھڑا ہو جا اور آگاہ کر دے۔

پھر فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ، یعنی عزم اور قومی ارادے کے ساتھ کمربستہ اور تیار ہو جاؤ اور لوگوں کو ہماری ذات سے، جہنم سے، اور ان کے بداعمال کی سزا سے ڈرا۔ ان کو آگاہ کر دو ان سے غفلت کو دور کر دو، پہلی وحی سے نبوۃ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ممتاز کیا گیا اور اس وحی سے آپؐ رسول بنائے گئے،

سورۃ المُدَّثِّر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۱)

اے کپڑا اوڑھنے والے

حضرت جابرؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی یہی آیت يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی ہے، لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلی وحی اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ کی آیتیں ہیں جیسے اسی سورت کی تفسیر کے موقعہ پر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

یحییٰ بن ابو کثیرؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰنؒ سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی کونسی آیتیں نازل ہوئیں؟ تو فرمایا آیت يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ

میں نے کہا لوگ تو آیت اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ بتاتے ہیں فرمایا میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا تھا انہوں نے وہی جواب دیا جو میں نے تمہیں دیا اور میں نے بھی وہی کہا جو تم نے مجھے کہا اس کے جواب میں حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ میں تو تم سے وہی کہتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں غار حرا میں اللہ کی یاد سے جب فارغ ہوا اور اترا تو میں نے سنا کہ گویا مجھے کوئی آواز دے رہا ہے میں نے اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا تو میں نے سر اٹھا کر اوپر کو دیکھا تو آواز دینے والا نظر آیا۔ میں خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آیا اور کہا مجھے چادر اڑھادو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو انہوں نے ایسا ہی کیا اور يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کی آیتیں اتریں (بخاری)

صحیح بخاری مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے رک جانے کی حدیث بیان فرماتے ہوئے فرمایا:

ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں آسمان کی طرف سے مجھے آواز سنائی دی۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ جو فرشتہ میرے پاس غار حرا میں آیا تھا وہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے میں مارے ڈر اور

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو یعنی راہ اللہ صدقہ خیرات کرتے رہو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر اور اعلیٰ اور پورا بدلہ دے گا، جیسے اور جگہ ہے:

مَنۡ ذَا الَّذِي يُقۡرِضُ اللَّهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُۥٓ أَضۡعَافًا كَثِيرَةً (۲:۲۴۵)

ایسا کون ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے اور اللہ اسے بہت کچھ بڑھائے چڑھائے۔

تم جو بھی نیکیاں کر کے بھیجو گے وہ تمہارے لئے اس چیز سے جسے تم اپنے پیچھے چھوڑ کر جاؤ گے بہت ہی بہتر اور اجر وثواب میں بہت ہی زیادہ ہے،

ابو یعلیٰ موصلی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے ایک مرتبہ پوچھا تم میں سے ایسا کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟

لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے تو ایک بھی ایسا نہیں،

آپ نے فرمایا اور سوچ لو، انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی بات ہے فرمایا:

سنو تمہارا مال وہ ہے جسے تم راہ اللہ دے کر اپنے لئے آگے بھیج دو اور جو چھوڑ جاؤ گے وہ تمہارا مال نہیں وہ تمہارا وارثوں کا مال ہے،

یہ حدیث بخاری شریف اور نسائی میں بھی مروی ہے۔

وَاسۡتَغۡفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲۰)

اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

فرمان ہے کہ ذکر اللہ بکثرت کیا کرو اور اپنے تمام کاموں میں استغفار کیا کرو جو استغفار کرے وہ مغفرت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ اللہ مغفرت کرنے والا اور مہربانیوں والا ہے۔

****

فرمایاہاں ٹھیک تو ہے پانچ آیتیں ہی پڑھ لو، پس بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حافظ قرآن کارات کی نماز میں کچھ نہ کچھ قیام کرناامام حسن بصریؒ کے نزدیک حق وواجب تھا،

ایک حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو صبح تک سویا رہتا ہے فرمایا:

یہ وہ شخص ہے جس کے کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔

اس کا تو ایک تو یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عشاء کے فرض بھی نہ پڑھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو رات کو نفلی قیام نہ کرے،

سنن کی حدیث میں ہے کہ اے قرآن والو وتر پڑھا کرو،

دوسری روایت میں ہے کہ جو وتر نہیں پڑھے وہ ہم میں سے نہیں،

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ

اور نماز کی پابندی کیا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالٰی کو اچھا قرض دو

پھر ارشاد ہے کہ فرض نمازوں کی حفاظت کرو اور فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کیا کرو،

یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں فرضیت زکوٰۃ کا حکم مکہ شریف میں ہی نازل ہو چکا تھا ہاں کتنی نکالی جائی؟ نصاب کیا ہے؟ وغیرہ یہ سب مدینہ میں بیان ہوا۔ واللہ اعلم

حضرت ابن عباسؓ عکرمہؒ مجاہدؒ حسنؒ قتادۃؒ وغیرہ سلف کا فرمان ہے کہ اس آیت نے اس سے پہلے کے حکم رات کے قیام کو منسوخ کر دیا ان دونوں حکموں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ اس میں جو اختلاف ہے اس کا بیان اوپر گزر چکا، بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں،

اس نے پوچھا اس کے سوا بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا باقی سب نوافل ہیں۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ

اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے

صحیح ابن خزیمہ میں بھی ان ہی کی روایت سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

پس ٹھیک قول جمہور کا ہی ہے کہ ہر نماز کی ہر ایک رکعت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا لازمی اور متعین ہے۔

عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۙ

وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی روزی بھی تلاش کریں گے

وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ

اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے

پھر فرماتا ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ اس اُمت میں عذر والے لوگ بھی ہیں جو قیام الیل کے ترک پر معذور ہیں، مثلاً بیمار کہ جنہیں اس کی طاقت نہیں مسافر جو روزی کی تلاش میں ادھر ادھر جا رہے ہیں، مجاہد جو اہم تر شغل میں مشغول ہیں، یہ آیت بلکہ یہ پوری سورت مکی ہے مکہ شریف میں نازل ہوئی اس وقت جہاد فرض نہیں تھا بلکہ مسلمان نہایت پست حالت میں تھے پھر غیب کی یہ خبر دینا اور اسی طرح ظہور میں بھی آنا کہ مسلمانوں جہاد میں پوری طرح مشغول ہوئے یہ نبوت کی اعلیٰ اور بہترین دلیل ہے۔

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ

سو تم باآسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو

تو ان معذورات کے باعث تمہیں رخصت دی جاتی ہے کہ جتنا قیام تم سے باآسانی کیا جاسکے کر لیا کرو،

حضرت ابو رجاء محمد نے حسنؒ سے پوچھا کہ اے ابو سعید اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو پورے قرآن کا حافظ ہے لیکن تہجد نہیں پڑھتا صرف فرض نماز پڑھتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس نے قرآن کو تکیہ بنا لیا اس پر اللہ کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک غلام کے لئے فرمایا کہ وہ ہمارے علم کو جاننے والا ہے اور فرمایا تم وہ سکھائے گئے ہو جسے نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا،

میں نے کہا۔ ابو سعید اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے جو قرآن آسانی سے تم پڑھ سکو پڑھو،

گو تمہارا مقصد ٹھیک اس وقت کو پورا کرنا نہیں ہوتا اور ہے بھی وہ مشکل کام، کیونکہ رات دن کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو ہے کبھی دونوں برابر ہوتے ہیں کبھی رات چھوٹی دن بڑا، کبھی دن چھوٹا رات بڑی،

عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ

وہ خوب جانتا ہے کہ تم اسے ہر گز نہ نبھا سکو گے

اللہ جانتا ہے کہ اس کو نبھانے کی طاقت تم میں نہیں

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ

پس تم پر مہربانی کی لہذا جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لیے آسان ہو پڑھو

تو اب رات کی نماز اتنی ہی پڑھو جتنی تم با آسانی پڑھ سکو کوئی وقت مقرر نہیں کہ فرضاً اتنا وقت تو لگانا ہی ہو گا یہاں صلوٰۃ کی تعبیر قرأت سے کی ہے جیسے سورہ اسراء میں کی ہے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (۱۷:۱۱۰)

نہ تو تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ کے اصحاب نے اس آیت سے استدلال کر کے یہ مسئلہ لیا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ ہی کا پڑھنا متعین نہیں اسے پڑھے خواہ اور کہیں سے پڑھ لے گو ایک ہی آیت پڑھے کافی ہے اور پھر اس مسئلہ کی مضبوطی اس حدیث سے کی ہے جس میں ہے:

بہت جلدی جلدی نماز ادا کرنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا پھر پڑھ جو آسان ہو تیرے ساتھ قرآن سے (بخاری و مسلم)

یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے اور جمہور نے انہیں یہ جواب دیا ہے کہ بخاری و مسلم کی حضرت عبادہ بن صامتؓ والی حدیث میں آچکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نماز نہیں ہے مگر یہ کہ تو سورہ فاتحہ پڑھے

اور صحیح مسلم شریف میں بہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ بالکل ادھوری محض ناکارہ ناقص اور ناتمام ہے،

السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ

جس دن آسمان پھٹ جائے گا

اس دن کی ہیبت اور دہشت کے مارے آسمان بھی پھٹ جائے گا،

بعض نے ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف کیا ہے لیکن یہ قوی نہیں اس لئے کہ یہاں ذکر ہی نہیں،

كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا (١٨)

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہو کر ہی رہے گا۔

اس دن کا وعدہ یقیناً سچ ہے اور ہو کر ہی رہے گا اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (١٩)

بیشک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سورت عقل مندوں کے لئے سراسر نصیحت و عبرت ہے جو بھی طالب ہدایت ہو وہ مرضی مولا سے ہدایت کا راستہ پالے گا اور اپنے رب کی طرف پہنچ جانے کا ذریعہ حاصل کرلے گا، جیسے فرمایا:

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (٧٦:٣٠)

اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے بیشک اللہ تعالیٰ علم والا باحکمت ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ

آپ کا رب بخوبی جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتی ہے

پھر فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا اور آپ کے اصحاب کی ایک جماعت کا کبھی دو تہائی رات تک قیام میں مشغول رہنا کبھی آدھی رات اسی میں گزارنا کبھی تہائی رات تک تہجد پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے

وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ

اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہی ہے،

پھر فرماتا ہے اے لوگو اور خصوصاً اے کافرو ہم نے تم پر گواہی دینے والا اپنا سچا رسول تم میں بھیج دیا ہے جیسے کہ فرعون کے پاس بھی ہم نے اپنے احکام کے پہنچا دینے کے لئے اپنے ایک رسول کو بھیجا تھا، اس نے جب اس رسول کی نہ مانی تو تم جانتے ہو کہ ہم نے اسے بری طرح برباد کیا اور سختی سے پکڑ لیا،

اسی طرح یاد رکھو اگر اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تم نے بھی نہ مانی تو تمہاری خیر نہیں اللہ کے عذاب تم پر بھی اتر آئیں گے اور نیست و نابود کر دیئے جاؤ گے کیونکہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کے سردار ہیں ان کے جھٹلانے کا وبال بھی اور وبالوں سے بڑا ہے۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا (١٧)

تم اگر کافر رہے تو اس دن کیسے پناہ پاؤ گے جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا

اس کے آیت کے دو معنی ہیں

ایک تو یہ کہ اگر تم نے کفر کیا تو بتاؤ تو سہی کہ اس دن کے عذابوں سے کیسے نجات حاصل کرو گے؟ جس دن کی ہیبت خوف اور ڈر بچوں کو بوڑھا کر دے گا،

اور دوسرے معنی یہ کہ اگر تم نے اتنے بڑے ہولناک دن کا بھی کفر کیا اور اس کے بھی منکر رہے تو تمہیں تقویٰ اور اللہ کا ڈر کیسے حاصل ہو گا؟

گو یہ دونوں معنی نہایت عمدہ ہیں لیکن اول اولیٰ ہیں۔ واللہ اعلم۔

طبرانی میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا:

یہ قیامت کا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اٹھو اور اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کو الگ الگ کر دو، پوچھیں گے اے اللہ کتنی تعداد میں سے کتنے؟ حکم ہو گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے، یہ سنتے ہی مسلمانوں کے تو ہوش اڑ گئے اور گھبرا گئے، حضور ﷺ بھی ان کے چہرے دیکھ کر سمجھ گئے اور بطور تشفی کے فرمایا سنو بنو آدم بہت سے ہیں یاجوج ماجوج بھی اولاد آدم میں سے ہیں جن میں سے ہر ایک نسلی تسلسل میں خاص اپنی صلبی اولاد ایک ایک ہزار چھوڑ کر جاتا ہے پس ان میں اور ان حبشیوں میں مل کر دوزخیوں کی یہ تعداد ہو جائے گی اور جنت تمہارے لئے اور تم جنت کے لئے ہو جاؤ گے،

یہ حدیث غریب ہے اور سورہ حج کی تفسیر کے شروع میں اس جیسی احادیث کا تذکرہ گزر چکا ہے

ہاں ان کے مالدار خوش حال لوگوں کو جو بے فکر ہیں اور تجھے ستانے کے لئے باتیں بنارہے ہیں جن پر دوہرے حقوق ہیں مال کے اور جان کے اور یہ ان میں سے ایک بھی ادا نہیں کرتے تو ان سے بے تعلق ہو جا پھر دیکھ کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں، تھوڑی دیر دنیا میں تو چاہے یہ فائدہ اٹھالیں گے مگر انجام کار عذابوں میں پھنسیں گے اور عذاب بھی کون سے؟

إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا (١٢)

یقیناً ہمارے ہاں سخت بیڑیاں ہیں اور سلگتی ہوئی جہنم۔

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا (١٣)

اور حلق میں اٹکنے والا کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب ہے

سخت قید و بند کے، بدترین بھڑکتی ہوئی نہ بجھنے والی اور نہ کم ہونے والی آگ کے اور ایسا کھانا جو حلق میں جاکر اٹک جائے نہ نگل سکیں نہ اُگل سکیں اور بھی طرح طرح کے المناک عذاب ہوں گے،

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَهِيلًا (١٤)

جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرائیں گے اور پہاڑ مثل بھر بھری ریت کے ٹیلوں کے ہو جائیں گے۔

پھر وہ وقت بھی ہو گا جب زمینوں میں اور پہاڑوں پر زلزلہ طاری ہو گا سخت اور بڑی چٹانوں والے پہاڑ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چُور چُور ہو گئے ہوں گے جیسے بھُربھُری ریت کے بکھرے ہوئے ذرے ہوں جنہیں ہوا اِدھر سے اُدھر لے جائے گی اور نام و نشان تک مٹادے گی اور زمین ایک چٹیل صاف میدان کی طرح رہ جائے گی جس میں کہیں اونچ نیچ نظر نہ آئے گی،

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (١٥)

بیشک ہم نے تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا ہے جیسے کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا۔

فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا (١٦)

تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت (وبال) کی پکڑ میں پکڑ لیا

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (۹۴:۷)

پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر

جب اپنے شغل سے فارغ ہو تو ہماری عبادت محنت سے بجالاؤ، اخلاص فارغ البالی کوشش محنت دل لگی اور یکسوئی سے اللہ کی طرف جھک جاؤ،

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تَبَتّل سے منع فرمایا یعنی بال بچے اور دنیا کو چھوڑ دینے سے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ علائق دنیوی سے کٹ کر اللہ کی عبادت میں توجہ اور انہماک کا وقت بھی ضرور نکالا کرو۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (۹)

مشرق و مغرب کا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اسی کو اپنا کارساز بنالے۔

وہ مالک ہے وہ متصرف ہے مشرق مغرب سب اس کے قبضہ میں ہے اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں، تو جس طرح صرف اسی اللہ کی عبادت کرتا ہے اسی طرح صرف اسی پر بھروسہ بھی رکھ، جیسے اور آیت میں ہے:

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (۱۱:۱۲۳)

اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر،

یہی مضمون آیت إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (۱:۵) میں بھی ہے، اس معنی کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں کہ عبادت، اطاعت، توکل اور بھروسہ کے لائق ایک اس کی پاک ذات ہے۔

وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا (۱۰)

اور جو کچھ وہ کہیں تو سہتا رہ اور وضعداری کے ساتھ ان سے الگ تھلگ رہ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی کو کفار کی طعن آمیز باتوں پر صبر کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کے حال پر بغیر ڈانٹ ڈپٹ کے ہی چھوڑ دے، میں خود ان سے نمٹ لوں گا۔ میرے غضب اور غصے کے وقت دیکھ لوں گا کہ کیسے یہ لوگ نجات پاتے ہیں۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا (۱۱)

اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے اور انہیں ذرا سی مہلت دے۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھی ابن ابی حاتم میں منقول ہے کہ سورہ مزمل کی ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرامؓ مثل رمضان شریف کے قیام کرتے رہے اور اس سورت کی اول آخر کی آیتوں کے اترنے میں تقریباً سال بھر کا فاصلہ تھا۔

حضرت ابو اسامہؓ سے بھی ابن جریر میں اسی طرح مروی ہے،

حضرت ابو عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائی آیتوں کے اترنے کے بعد صحابہ کرامؓ نے سال بھر تک قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدم اور پنڈلیوں پر ورم آ گیا پھر آیت (۷۳:۲۰) نازل ہوئی

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

اور لوگوں نے راحت پائی، حسن بصریؒ اور سدیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

ابن ابی حاتم میں بہ روایت حضرت عائشہؓ سولہ مہینے کا فاصلہ مروی ہے،

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ایک سال یا دو سال تک قیام کرتے رہے پنڈلیاں اور قدم سوج گئے پھر آخری سورت کی آیتیں اتریں اور تخفیف ہو گئی۔

حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ دس سال کا فاصلہ بتاتے ہیں (ابن جریر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی آیت کے حکم کے مطابق ایمانداروں نے قیام الیل شروع کیا لیکن بڑی مشقت پڑتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اور عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ آیت نازل فرما کر وسعت کر دی اور تنگی نہ رکھی۔ فللہ الحمد

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (۸)

تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام مخلوقات سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا۔

پھر فرمان ہے اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہ اور اس کی عبادت کے لئے فارغ ہو جا، یعنی امور دنیا سے فارغ ہو کر دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ بکثرت اس کا ذکر کر، اس کی طرف مائل اور سراسر راغب ہو جا،

جیسے اور جگہ ہے:

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی نماز کو پڑھتے تو پھر اس پر مداومت کرتے ہاں اگر کسی شغل یا نیند یا دکھ تکلیف اور بیماری کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو دن کو بارہ رکعت ادا فرما لیا کرتے، میں نہیں جانتی کہ کسی ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا قرآن صبح تک پڑھا ہو اور نہ رمضان کے سوا کسی اور مہینے کے پورے روزے رکھے،

اب میں اُم المومنینؓ سے رخصت ہو کر ابن عباسؓ کے پاس آیا اور وہاں کے تمام سوال جواب دہرائے آپ نے سب کی تصدیق کی اور فرمایا اگر میری بھی آمد و رفت اُم المومنینؓ کے پاس ہوتی تو جا کر خود اپنے کانوں سن آتا۔

یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی ہے،

ابن جریر میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بوریا رکھ دیا کرتی جس پر آپؐ تہجد کی نماز پڑھتے لوگوں نے کہیں یہ خبر سن لی اور رات کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے کے لئے وہ بھی آ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو کر باہر نکلے چونکہ شفقت و رحمت آپ کو اُمت پر تھی اور ساتھ ہی ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو یا نماز فرض ہو جائے آپ ﷺ ان سے فرمانے لگے:

لوگو ان ہی اعمال کی تکلیف اٹھاؤ جن کی تم میں طاقت ہو اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہ تھکے گا البتہ تم عمل کرنے سے تھک جاؤ گے سب سے بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو سکے،

ادھر قرآن کریم میں یہ آیتیں اتریں اور صحابہؓ نے قیام الیل شروع کیا یہاں تک کہ رسیاں باندھنے لگے کہ نیند نہ آ جائے آٹھ مہینے اسی طرح گزر گئے ان کی اس کوشش کو جو وہ اللہ کی رضامندی کی طلب میں کر رہے تھے دیکھ کر اللہ نے بھی ان پر رحم کیا اور اسے فرض عشاء کی طرف لوٹا دیا اور قیام الیل چھوڑ دیا۔

یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی ہے لیکن اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ زبیدی ضعیف ہے

اصل حدیث بغیر سورہ مزمل کے نازل ہونے کے ذکر کے صحیح میں بھی ہے اور اس حدیث کیے الفاظ کی روانگی سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی حالانکہ دراصل یہ سورت مکہ شریف میں اتری ہے-اسی طرح اس روایت میں ہے کہ آٹھ مہینے کے بعد اس کی آخری آیتیں نازل ہوئیں،

یہ قول بھی غریب ہے، صحیح وہی ہے جو بحوالہ مسند پہلے گزر چکا کہ سال بھر کے بعد آخری آیتیں نازل ہوئیں۔

پوچھا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا سعید بن ہشام

پوچھا ہشام کون؟ عامر کے لڑکے؟

کہاہاں عامر کے لڑکے، تو حضرت عائشہ نے حضرت عامرؓ کے لئے دعاء رحمت کی اور فرمایا عامر بہت اچھا آدمی تھا اللہ اس پر رحم کرے،

میں نے کہا اُم المومنین مجھے بتایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟

آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟

فرمایا بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا

اب میں نے اجازت مانگنے کا قصد کیا لیکن فوراً ہی یاد آ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کا حال بھی دریافت کر لوں،

اس سوال کے جواب میں اُم المومنین نے فرمایا کیا تم نے سورہ مزمل نہیں پڑھی؟ میں نے کہاہاں پڑھی ہے،

فرمایا سنو اس سورت کے اول حصے میں قیام الیل فرض ہوا اور سال بھر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تہجد کی نماز بطور فرضیت کے ادا کرتے رہے یہاں تک کہ قدموں پر ورم آ گیا بارہ ماہ کے بعد اس سورت کے خاتمہ کی آیتیں اتریں اور اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی فرضیت اٹھ گئی اور عملی صورت باقی رہ گئی،

میں نے پھر اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن خیال آیا کہ وتر کا مسئلہ بھی دریافت کر لوں تو میں نے کہا اُم المومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کی کیفیت سے بھی آگاہ فرمایئے،

آپ نے فرمایا ہاں سنو:

ہم آپ ﷺ کی مسواک، وضو کا پانی وغیرہ تیار ایک طرف رکھ دیا کرتے تھے جب بھی اللہ چاہتا اور آپ کی آنکھ کھلتی اٹھتے مسواک کرتے وضو کرتے اور آٹھ رکعت پڑھتے بیچ میں تشہد میں بالکل نہ بیٹھتے آٹھویں رکعت پوری کر کے آپ التحیات میں بیٹھتے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر کرتے دعا کرتے اور زور سے سلام پھیرتے کہ ہم بھی سن لیں پھر بیٹھے بیٹھے ہی دو رکعت اور ادا کرتے (اور ایک وتر پڑھتے) بیٹا یہ سب مل کر گیارہ رکعت ہوئیں،

اب جبکہ آپ ﷺ عمر رسیدہ ہوئے اور بدن بھاری ہو گیا تو آپ نے سات وتر پڑھے پھر سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعت ادا کیں بس بیٹا یہ نو رکعت ہوئیں،

اس بناپر یہ حکم اس وقت تھاجب رات کی نماز فرض تھی پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کیا اور بطور تخفیف کے اس میں کمی کر دی اور فرمایا تھوڑی سی رات کا قیام کرو،

اس فرمان کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن زید بن اسلمؒ نے آیت (۷۳:۲۰) إِنَّ رَبَّكَ سے فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ پڑھی اور آیت وَمِنَ اللَّيْلِ (۷۹:۱۷) کی بھی تلاوت کی۔ آپ کا یہ قول ہے بھی ٹھیک،

مسند احمد میں ہے:

حضرت سعید بن ہشامؒ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مدینہ کی طرف چلے تا کہ وہاں کے اپنے مکانات بیچ ڈالیں اور ان کی قیمت سے ہتھیار وغیرہ خرید کر جہاد میں جائیں اور رومیوں سے لڑتے رہیں یہاں تک کہ یا تو روم فتح ہو یا شہادت ملے،

مدینہ شریف میں اپنی قوم والوں سے ملے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا سنو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ ہی کی قوم میں سے چھ شخصوں نے بھی ارادہ کیا تھا کہ عورتوں کو طلاق دے دیں مکانات وغیرہ بیچ ڈالیں اور راہ اللہ کھڑے ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ جس طرح میں کرتا ہوں کیا اس طرح کرنے میں تمہارے لئے اچھائی نہیں ہے؟ خبر دار ایسا نہ کرنا اپنے اس ارادے سے باز آ جاؤ یہ حدیث سن کر حضرت سعیدؓ نے بھی اپنا ارادہ ترک کیا اور وہیں اسی جماعت سے کہا کہ تم گواہ رہنا میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔

اب حضرت سعید چلے گئے پھر جب اس جماعت سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ یہاں سے جانے کے بعد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس گیا اور ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کی کیفیت دریافت تو انہوں نے کہا اس مسئلے کو سب سے زیادہ بہتر طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتا سکتی ہیں تم وہیں جاؤ اور اُم المومنین ہی سے دریافت کرو اور ان سے جو سنو وہ ذرا مجھ سے کہہ جانا۔

میں حضرت حکیم بن افلحؓ کے پاس گیا اور ان سے میں نے کہا تم مجھے اُم المومنین کی خدمت میں لے چلو۔ انہوں نے فرمایا میں وہاں نہیں جاؤں گا اس لئے کہ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ آپس میں لڑنے والی جماعتوں یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے مقابلین کے بارے میں آپ دخل نہ دیجئے لیکن انہوں نے نہ مانا اور دخل دیا۔ میں نے انہیں قسم دی اور کہا کہ نہیں آپ مجھے ضرور وہاں لے چلئے خیر بمشکل تمام وہ راضی ہوئے اور میں ان کے ساتھ گیا۔

ام المومنین صاحبہؓ نے حضرت حکیمؓ کی آواز پہچان لی اور کہا کیا حکیم ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہاں حضور میں حکیم بن افلح ہوں

— کبھی تو گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے اور وہ گن گناہٹ کی آواز ختم ہو جاتی ہے تو میں اس میں جو کچھ کہا گیا وہ مجھے خوب محفوظ ہو جاتا ہے

— اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں،

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ سخت جاڑے والے دن میں بھی جب آپ ﷺ پر وحی اتر چکتی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکتے،

مسند احمد میں ہے کہ کبھی اونٹنی پر حضور ﷺ سوار ہوتے اور اسی حالت میں وحی آتی تو اونٹنی جھک جاتی،

ابن جریر میں یہ بھی ہے کہ پھر جب تک وحی ختم نہ ہوتی اونٹنی سے قدم نہ اٹھایا جاتا نہ اس کی گردن اونچی ہوتی۔

مطلب یہ ہے کہ خود وحی کا اترنا بھی اہم اور بوجھل تھا پھر احکام کا بجالانا اور ان کا عامل ہونا بھی اہم اور بوجھل تھا۔ یہی قول حضرت امام ابن جریرؒ کا ہے، حضرت عبدالرحمٰنؒ سے منقول ہے کہ جس طرح دنیا میں یہ ثقیل کام ہے اسی طرح آخرت میں اجر بھی بڑا بھاری ملے گا۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا (٦)

بیشک رات کا اٹھنا دل جمعی کے لئے انتہائی مناسب ہے اور بات کو بالکل درست کر دینے والا ہے

پھر فرماتا ہے رات کا اٹھنا نفس کو زیر کرنے کے لئے اور زبان کو درست کرنے کے لئے اکسیر ہے،

نشاء کے معنی حبشی زبان میں قیام کرنے کے ہیں، رات بھر میں جب اٹھے اسے نَاشِئَةَ اللَّيْلِ کہتے ہیں،

تہجد کی نماز کی خوبی یہ ہے کہ دل اور زبان ایک ہو جاتا ہے اور تلاوت کے جو الفاظ زبان سے نکلتے ہیں دل میں گھڑ جاتے ہیں اور بہ نسبت دن کے رات کی تنہائی میں معنیٰ خوب ذہن نشین ہوتا جاتا ہے کیونکہ دن بھیڑ بھاڑ کا، شور غل کا، کمائی دھندے کا وقت ہوتا ہے۔

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا (٧)

یقیناً تجھے دن میں بہت شغل رہتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دن میں تجھے بہت فراغت ہے، نیند کر سکتے ہو، سو بیٹھ سکتے ہو، راحت حاصل کر سکتے ہو، نوافل بکثرت ادا کر سکتے ہو، اسے دنیوی کام کاج پورے کر سکتے ہو۔ پھر رات کو آخرت کے کام کے لئے خاص کر لو،

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اسے آل داؤد کی خوش آوازی عطا کی گئی ہے اور حضرت ابو موسیٰؓ کا فرمانا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپؐ سن رہے ہیں تو میں اور اچھے گلے سے زیادہ عمدگی کے ساتھ پڑھتا،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان کہ ریت کی طرح قرآن کو نہ پھیلاؤ اور شعروں کی طرح قرآن کو بے ادبی سے نہ پڑھو اس کی عجائب پر غور کرو اور دلوں میں اثر لیتے جاؤ اور اس میں دوڑ نہ لگاؤ کہ جلد سورت ختم ہو۔ (بغوی)

ایک شخص آکر حضرت ابن مسعودؓ سے کہتا ہے میں نے مفصل کی تمام سورتیں آج کی رات ایک ہی رکعت میں پڑھ ڈالیں آپ نے فرمایا کہ پھر تو تو نے شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا مجھے برابر برابر کی سورتیں خوب یاد ہیں جنہیں رسول کریم ﷺ ملا کر پڑھا کرتے تھے پھر مفصل کی سورتوں میں سے بیس سورتوں کے نام لئے کہ ان میں سے دو دو سورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (۵)

یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے

اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے ہم تجھ پر عنقریب بھاری بوجھل بات اتاریں گے، یعنی عمل میں ثقیل ہوگی اور اترتے وقت بوجہ اپنی عظمت کے گراں قدر ہوگی،

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری اس وقت آپ کا گھٹنا میرے گھٹنے پر تھا وحی کا اتنا بوجھ پڑا کہ میں توڑنے لگا کہ میری ران کہیں ٹوٹ نہ جائے،

مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وحی کا احساس بھی آپ کو ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں ایسی آواز سنتا ہوں جیسے کسی زنجیر کے بجنے کی آواز ہو میں چپکا ہو جاتا ہوں جب بھی وحی نازل ہوتی ہے مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میری جان نکل جائے گی،

صحیح بخاری شریف کے شروع میں ہے حضرت حارث بن ہشامؓ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

نِصۡفَهُۥٓ أَوِ ٱنقُصۡ مِنۡهُ قَلِيلًا (۳)

آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے۔

أَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ وَرَتِّلِ ٱلۡقُرۡءَانَ تَرۡتِيلًا (۴)

یا اس پر بڑھا دے اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کرو

تو آدھی رات تک تہجد میں مشغول رہا کر، یا کچھ بڑھا گھٹا دیا کر اور قرآن شریف کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کر تا کہ خوب سمجھتا جائے، اس حکم کے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عامل تھے،

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جس سے بڑی دیر میں سورت ختم ہوتی تھی گویا چھوٹی سی سورت بڑی سے بڑی ہو جاتی تھی،

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا وصف پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوب مد کر کے پڑھا کرتے تھے پھر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيمِ پڑھ کر سنائی جس میں لفظ اللّٰهِ پر لفظ الرَّحۡمٰنِ پر لفظ الرَّحِيمِ پر مد کیا،

ابن جریج میں ہے کہ ہر ہر آیت پر آپ پورا پورا وقف کرتے تھے، جیسے آیت بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ پڑھ کر وقف کرتے آیت ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ پڑھ کر وقف کرتے آیت ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ پڑھ کر وقف کرتے آیت مَٰلِكِ يَوۡمِ ٱلدِّينِ پڑھ کر ٹھہرتے۔

یہ حدیث مسند احمد ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ قرآن کے قاری سے قیامت والے دن کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جیسے دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا تیرا درجہ وہ ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہو،

یہ حدیث ابوداؤد و ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں،

ہم نے اس تفسیر کے شروع میں وہ احادیث وارد کر دی ہیں، جو ترتیل کے مستحب ہونے اور اچھی آواز سے قرآن پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں، جیسے وہ حدیث جس میں ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو، اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے،

Surah Muzzammil

سورۃ الْمُزَّمِّل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (١)

اے کپڑے میں لپٹنے والے

قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا (٢)

رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ راتوں کے وقت کپڑے لپیٹ کر سو رہنے کو چھوڑیں اور تہجد کی نماز کے قیام کو اختیار کر لیں،

جیسے فرمان ہے:

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ(٣٢:١٦)

ان کے پہلو بستروں سے الگ ہوتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوری عمر اس حکم کی بجا آوری کرتے رہے تہجد کی نماز صرف آپ پر واجب تھی یعنی اُمت پر واجب نہیں ہے، جیسے اور جگہ ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا(١٧:٧٩)

رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کریں یہ زیادتی آپ کے لئے ہے عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا

یہاں اس حکم کے ساتھ ہی مقدار بھی بیان فرمادی کہ آدھی رات یا کچھ کم و بیش،

مُزَّمِّلُ کے معنی سونے والے اور کپڑا لپیٹنے والے کے ہیں، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اے قرآن کے مفہوم کو اچھی طرح اخذ کرنے والے،

یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور منافقوں کو برابر جان لے گا۔

اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ پہلے ہی سے جانتا ہے لیکن اسے ظاہر کر کے بھی جان لیتا ہے،

وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (۲۸)

اللہ تعالیٰ نے ان کے آس پاس (کی چیزوں) کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے۔

اسی لئے یہاں اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہر چیز اور سب کی گنتی اللہ کے علم کے احاطہ میں ہے۔

****

فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا (٢٧)

لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے

پھر اس کی مزید تخصیص یہ ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت اور ساتھ ہی اس علم کی اشاعت کے لئے جو اللہ نے اسے دیا ہے اس کے آس پاس ہر وقت نگہبان فرشتے مقرر رہتے ہیں۔

لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ

تاکہ ان کے اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے

لِيَعْلَمَ کی ضمیر بعض نے تو کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے یعنی حضرت جبرائیل کے آگے پیچھے چار چار فرشتے ہوتے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین آ جائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح طور پر مجھے پہنچایا ہے،

اور بعض کہتے ہیں مرجع ضمیر کا اہل شرک ہے یعنی باری باری آنے والے فرشتے نبی اللہ کی حفاظت کرتے ہیں شیطان سے اور اس کی ذریات سے تاکہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے رسالت اللہ ادا کر دی، یعنی رسولوں کو جھٹلانے والے بھی رسولوں کی رسالت کو جان لیں مگر اس میں کچھ اختلاف ہے۔

یعقوب کی قرأت پیش کے ساتھ ہے یعنی لوگ جان لیں کہ رسولوں نے تبلیغ کر دی،

اور ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ جان لے یعنی وہ اپنے رسولوں کی اپنے فرشتے بھیج کر حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ رسالت ادا کر سکیں اور وحی الٰہی محفوظ رکھ سکیں اور اللہ جان لے کہ انہوں نے رسالت ادا کر دی،

جیسے فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ (۲:۱۴۳)

جس قبلہ پر تم پہلے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے

اور جگہ ہے:

وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ (۲۹:۱۱)

جو لوگ ایمان لائے انہیں بھی ظاہر کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی ظاہر کر کے رہے گا

آپ ﷺ نے فرمایا وہ آئے گی ضرور مگر یہ بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟

اس نے کہا میرے پاس روزے نماز کی کثرت تو نہیں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے،

آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو اس کے ساتھ ہو گا جس کی تجھے محبت ہے،

حضرت انسؓ فرماتے ہیں مسلمان کسی حدیث سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے اس حدیث سے،

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قیامت کا ٹھیک وقت آپ کو معلوم نہ تھا،

ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اے لوگو اگر تم میں علم ہے تو اپنے تیئں مُردوں میں شمار کیا کرو اللہ کی قسم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ایک وقت آنے والی ہے،

یہاں بھی آپ ﷺ کوئی مقررہ وقت نہیں بتاتے،

ابو داؤد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کو کیا عجب کہ آدھے دن تک کی مہلت دے دے

اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضرت سعدؓ سے پوچھا گیا کہ آدھے دن سے کیا مراد ہے، فرمایا پانچ سو سال۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا (٢٦)

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ

سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے

پھر فرماتا ہے اللہ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر مرسلین میں سے جسے چن لے،

جیسے اور جگہ ہے:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (٢:٢٥٥)

اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر وہ جتنا چاہے،

یعنی رسول خواہ انسانوں میں سے ہوں خواہ فرشتوں میں سے ہوں جسے اللہ جتنا چاہتا ہے بتا دیتا ہے بس وہ اتنا ہی جانتے ہیں۔

نافرمان کے لئے ہمیشہ والی جہنم کی آگ ہے جس میں سے نہ نکل سکیں نہ بھاگ سکیں۔

حَتَّىٰٓ إِذَا رَأَوۡاْ مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعۡلَمُونَ مَنۡ أَضۡعَفُ نَاصِرٗا وَأَقَلُّ عَدَدٗا (۲۴)

(ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں جس کا ان کو وعدہ دیا جاتا ہے پس عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے۔

جب یہ مشرکین جن وانس قیامت والے دن ڈراؤنے عذابوں کو دیکھ لیں گے اس وقت ظاہر ہو جائے گا کہ کمزور مددگاروں اور بے وقعت گنتی والوں میں کون کون شامل تھا؟ یعنی مؤمن موحد یا یہ مشرک،

حقیقت یہ ہے کہ اس دن مشرکوں کا برائے نام بھی کوئی مدد کرنے والا نہیں ہو گا اور اللہ کے لشکروں کے مقابلہ پر ان کی گنتی بھی کچھ نہ ہو گی۔

قُلۡ إِنۡ أَدۡرِيٓ أَقَرِيبٞ مَّا تُوعَدُونَ أَمۡ يَجۡعَلُ لَهُۥ رَبِّيٓ أَمَدًا (۲۵)

کہہ دیجئے مجھے معلوم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لئے دوری کی مدت مقرر کرے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ قیامت کب ہو گی، اس کا علم مجھے نہیں، بلکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا دور ہے اور لمبی مدت کے بعد آنے والی ہے،

اس آیت کریمہ میں دلیل ہے اس امر کی کہ اکثر جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام زمین کے اندر کی چیزوں کا بھی علم رکھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے اس روایت کی کوئی اصل نہیں محض جھوٹ ہے اور بالکل بے اصل روایت ہے ہم نے تو اسے کسی کتاب میں نہیں پایا، ہاں اس کے خلاف صاف ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے قائم ہونے کا وقت پوچھا جاتا تھا اور آپ اس کی معین وقت سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے تھے، اعرابی کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی آکر جب قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے صاف فرمایا تھا کہ اس کا علم نہ پوچھنے والے کو ہے نہ اسے جس سے پوچھا جارہا ہے،

ایک اور حدیث میں ہے:

ایک دیہات کے رہنے والے نے باآواز بلند آپ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ قیامت کب آئے گی؟

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ‎(٢١)

کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں۔

میں تم جیسا انسان ہوں تمہارے نفع نقصان کا مالک میں نہیں ہوں،

قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ‎(٢٢)

کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پا سکتا۔

میں تو اللہ کا ایک غلام ہوں اللہ کے بندوں میں سے ایک ہوں، تمہاری ہدایت ضلالت کا مختار و مالک میں نہیں سب چیزیں اللہ کے قبضے میں ہیں میں تو صرف پیغام رساں ہوں، اگر میں خود بھی اللہ کی معصیت کروں تو یقیناً اللہ مجھے عذاب دے گا اور کسی سے نہ ہو سکے گا کہ مجھے بچا لے، مجھے کوئی پناہ کی جگہ اس کے سوا نظر ہی نہیں آتی،

إِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۚ

البتہ میرا کام اللہ کی بات اور اس کے پیغامات (لوگوں کو) پہنچا دینا ہے

میری حیثیت صرف مبلغ اور رسول کی ہے،

بعض تو کہتے ہیں إِلَّا کا استثنا لَا أَمْلِكُ سے ہے یعنی میں نفع نقصان ہدایت ضلالت کا مالک نہیں میں تو صرف تبلیغ کرنے والا پیغام پہنچانے والا ہوں

اور ہو سکتا ہے کہ لَنْ يُجِيرَنِي سے یہ استثناء ہو یعنی اللہ کے عذابوں سے مجھے صرف میری رسالت کی ادائیگی ہی بچا سکتی ہے، جیسے اور جگہ ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ‎(٥:٦٧)

اے رسول تیری طرف جو تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اسے پہنچا دے اور اگر تو نے یہ نہ کیا تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچا لے گا۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ‎(٢٣)

(اب) جو بھی اللہ اور اسکے رسول کی نہ مانے گا اسکے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا (١٩)

اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں

آیت کا ایک مطلب تو یہ ہے:

- جنات نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تلاوت قرآن سنی تو اس طرح آگے بڑھ بڑھ کر عقیدت کا اظہار کرنے لگے کہ گویا ایک دوسرے کے سروں پر چڑھے چلے جاتے ہیں،

دوسرا مطلب یہ ہے:

- جنات اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی اطاعت و چاہت کی حالت یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور اصحاب پیچھے ہوتے ہیں تو برابر اطاعت و اقتداء میں آخر تک مشغول رہتے ہیں گویا ایک حلقہ ہے،

تیسرا قول یہ ہے:

- جب رسول اللہ ﷺ توحید کا اعلان لوگوں میں کرتے ہیں تو کافر لوگ دانت چبا چبا کر الجھ جاتے ہیں، جنات و انسان مل جاتے ہیں کہ اس امر دین کو مٹادیں اور اس کی روشنی کو چھپالیں مگر اللہ کا ارادہ اس کے خلاف ہو چکا ہے،

یہ تیسرا قول ہی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کیونکہ اس کے بعد ہی ہے کہ

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا (٢٠)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

میں تو صرف اپنے رب کا نام ورد زبان رکھتا ہوں اور کسی اور کی عبادت نہیں کرتا، یعنی جب دعوت حق اور توحید کی آواز ان کے کان میں پڑی جو مدتوں سے غیر مانوس ہو چکی تھی تو ان کفار نے ایذاء رسانی مخالفت اور تکذیب پر کمر باندھ لی حق کو مٹادینا چاہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر سب متحد ہو گئے اس وقت ان سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

میں تو اپنے پالنے والے وحدہ لاشریك له کی عبادت میں مشغول ہوں میں اسی کی پناہ میں ہوں اسی پر میرا توکل ہے وہ ہی میرا سہارا ہے مجھ سے یہ توقع ہرگز نہ رکھو کہ میں کسی اور کے سامنے جھکوں یا اس کی پرستش کروں،

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کی جگہوں کو شرک سے پاک رکھیں، وہاں کسی دوسرے کا نام نہ پکاریں، نہ کسی اور کو اللہ کی عبادت میں شریک کریں،

حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اپنے گرجوں اور کنیسوں میں جا کر اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے تھے تو اس اُمت کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ نبی بھی اور اُمت بھی سب توحید والے رہیں،

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت صرف مسجد اقصیٰ تھی اور مسجد حرام،

حضرت اعمشؒ نے اس آیت کی تفسیر یہ بیان کی ہے:

جنات نے حضور علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ آپ کی مسجد میں اور انسانوں کے ساتھ نماز ادا کریں، گویا ان سے کہا جا رہا ہے کہ نماز پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں:

جنوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ ہم تو دور دراز رہتے ہیں نمازوں میں آپ کی مسجد میں کیسے پہنچ سکیں گے؟ تو انہیں کہا جاتا ہے کہ مقصود نماز کا ادا کرنا اور صرف اللہ ہی کی عبادت بجالانا ہے خواہ کہیں ہو،

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ آیت عام ہے اس میں سبھی مساجد شامل ہیں۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اعضاء سجدہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی جن اعضاء پر تم سجدہ کرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے ہیں پس تم پر ان اعضاء سے دوسرے کے لئے سجدہ کرنا حرام ہے۔

صحیح حدیث میں ہے:

مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم کیا گیا ہے،

- پیشانی اور ہاتھ کے اشارے سے ناک کو بھی اس میں شامل کر لیا
- اور دونوں ہاتھ،
- دونوں گھٹنے،
- اور دونوں پنجے۔

حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں اتری ہے جبکہ ان پر سات سال کا قحط پڑا تھا،

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ

- اگر یہ سب کے سب گمراہی پر جم جاتے تو ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے تاکہ یہ خوب مست ہو جائیں اور اللہ کو بالکل بھول جائیں اور بدترین سزاؤں کے قابل ہو جائیں،

جیسے فرمان باری ہے:

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ (٦:٤٤)

پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔

یعنی جب وہ نصیحتیں بھلا بیٹھے تو ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے جس وہ مست بن گئے کہ ناگہاں ہم نے انہیں پکڑ لیا اور وہ مایوس ہو گئے، اسی طرح کا اور فرمان باری ہے:

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ (٢٣:٥٥،٥٦)

کیا یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں وہ ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں

وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (١٧)

اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا

اللہ فرماتا ہے جو بھی اپنے رب کے ذکر سے بے پرواہی برتے اس کا رب اسے دردناک سخت اور مہلک عذابوں میں مبتلا کرتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صَعَد جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں جہنم کے ایک کنوئیں کا نام ہے۔

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (١٨)

اور یہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا (۱۴)

پس جو فرمانبردار ہوگئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا۔

وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (۱۵)

اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔

وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا (۱۶)

اور (اے نبی یہ بھی کہہ دو) کہ اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً انہیں بہت وافر پانی پلاتے۔

اس آیت کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں

- ایک تو یہ کہ اگر تمام لوگ اسلام پر اور راہ راست پر اور اطاعت الٰہی پر جم جاتے تو ہم ان پر بکثرت بارشیں برساتے اور خوب وسعت سے روزی دیتے، جیسے اور جگہ ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم (۵:۶۶)

اور اگر یہ لوگ توراۃ وانجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ان کے پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے

یعنی اگر یہ توراۃ وانجیل اور آسمانی کتابوں پر سیدھے اترتے تو انہیں آسمان وزمین سے روزیاں ملتیں

اور فرمان ہے:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (۷:۹۶)

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے

یعنی اگر بستی والے ایمان لاتے متقی بن جاتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتیں کھول دیتے

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ

تاکہ ہم اس میں انہیں آزمالیں

یہ اس لئے کہ ان کی پختہ جانچ ہو جائے کہ ہدایت پر کون جما رہتا ہے اور کون پھر سے گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے،

دل اللہ کی محبت سے لبریز ہو گئے ہیں۔
یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں اس کی جڑیں جم گئی ہیں
اور اللہ کی محبت میں حیران و پریشان اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں
اور انہوں نے مخلوق سے تعلقات کاٹ کر اپنے تعلقات اللہ سے وابستہ کر لئے ہیں۔

وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا (۱۲)

اور ہم نے سمجھ لیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہر گز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں۔

پھر کہتے ہیں ہمیں معلوم ہو چکا کہ اللہ کی قدرت ہم پر حاکم ہے ہم اس سے نہ بھاگ کر بچ سکیں نہ کسی اور طرح اسے عاجز کر سکیں۔

وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ ۖ

ہم تو ہدایت کی بات سنتے ہیں اس پر ایمان لا چکے ہیں

اب فخریہ کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت نامے کو سنتے ہیں اس پر ایمان لا چکے، فی الواقع ہے بھی یہ فخر کا مقام۔ اس سے زیادہ شرف اور فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ رب کا کلام فوری اثر کرے،

فَمَن يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا (۱۳)

اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہے نہ ظلم و ستم کا

پھر کہتے ہیں مؤمن کے نہ تو عمل نیک ضائع ہوں نہ اس پر خواہ مخواہ کی برائیاں لادی جائیں، جیسے اور جگہ ہے:

فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا (۲۰:۱۲)

تو نہ اسے بے انصافی کا کھٹکا ہو گا نہ حق تلفی کا

یعنی نیک مؤمن کو ظلم و نقصان کا ڈر نہیں۔

وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ

ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں

پھر کہتے ہیں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض حق سے ہٹے ہوئے عدل کو چھوڑے ہوئے ہیں۔

تم نجوم دیکھو اگر ستاروں کو اپنی اپنی جگہ پاؤ تو سمجھ لو کہ آسمان والے تباہ نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ انتظامات صرف ابن ابی کبشہ کے لئے ہو رہے ہیں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے) اور اگر تم دیکھو کہ فی الحقیقت ستارے اپنی مقررہ جگہ پر نہیں تو بیشک اہل آسمان کو ہلاک شدہ مان لو، انہوں نے نجوم دیکھا تو ستارے سب اپنی اپنی مقررہ جگہ پر نظر آئے تب انہیں چین آیا۔

شیاطین میں بھی بھاگ دوڑ مچ گئی یہ ابلیس کے پاس آئے واقعہ کہہ سنایا تو ابلیس نے کہا میرے پاس ہر ہر علاقہ کی مٹی لاؤ تو مٹی لائی گئی اس نے مٹی سونگھی اور سونگھ کر بتایا کہ اس کا انقلاب سبب مکہ میں ہے، سات جنات نصیبین کے رہنے والے مکہ پہنچے یہاں حضور علیہ السلام مسجد حرام میں نماز پڑھا رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے جس سن کر ان کے دل نرم ہوگئے بہت ہی قریب ہو کر قرآن سنا پھر اس کے اثر سے مسلمان ہوگئے اور اپنی قوم کو بھی دعوت اسلام دی، الحمد اللہ

ہم نے اس تمام واقعہ کو پورا پورا اپنی کتاب السیرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آغاز کے بیان میں لکھا ہے۔ واللہ اعلم

وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ ۖ كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا (١١)

اور یہ کہ (بیشک) بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں، ہم مختلف طریقوں سے بٹے ہوئے ہیں۔

جنات اپنی قوم کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم میں نیک بھی ہیں اور بد بھی ہیں ہم مختلف راہوں پر لگے ہوئے تھے۔

حضرت اعمش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک جن ہمارے پاس آیا کرتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تمام کھانوں میں سے تمہیں کونسا کھانا پسند ہے؟

اس نے کہا چاول۔ میں نے لا کر دیئے تو دیکھا کہ لقمہ برابر اٹھ رہا ہے لیکن کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا۔

میں نے پوچھا جو خواہشات ہم میں ہیں کیا تم بھی ہیں؟ اس نے کہا ہاں،

میں نے پھر پوچھا کہ رافضی تم میں کیسے گنے جاتے ہیں؟ کہا بدترین۔

حافظ ابوالحجاج مزنی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے،

ابن عساکر میں ہے حضرت عباس بن احمد دمشقیؒ فرماتے ہیں میں نے رات کے وقت ایک جن کو اشعار میں یہ کہتے سنا کہ

اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ الٰہی تیری طرف سے شر اور برائی نہیں،

ستارے اس سے پہلے بھی کبھی کبھی جھڑتے تھے لیکن اس طرح کثرت سے ان کا آگ برسانا قرآن کریم کی حفاظت وصیانت کے باعث ہوا تھا، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگہاں ایک ستارہ ٹوٹا اور بڑی روشنی ہوگئی تو آپ ﷺ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ پہلے اسے جھڑتا دیکھ کر تم کیا کہا کرتے تھے؟

ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا خیال تھا کہ یا تو یہ کسی برے آدمی کے تولد پر ٹوٹتا ہے یا کسی بڑے کی موت پر، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب کبھی کسی کام کا آسمان پر فیصلہ کرتا ہے،...

یہ حدیث پورے طور پر سباء کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

دراصل ستاروں کا بکثرت گرنا، جنات کا ان سے ہلاک ہونا، آسمان کی حفاظت کا بڑھ جانا، ان کا آسمان کی خبروں سے محروم ہو جانا ہی اس امر کا باعث بنا کہ یہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے چاروں طرف تلاش شروع کر دی کہ کیا وجہ ہوئی جو ہمارا آسمانوں پر جانا موقوف ہو گیا چنانچہ ان میں سے ایک جماعت کا گزر عرب میں ہوا اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے سنا اور سمجھ گئے کہ اس نبی کی بعثت اور اس کلام کا نزول ہی ہماری بندش کا سبب ہے، پس خوش نصیب سمجھدار جن تو مسلمان ہو گئے، باقی جنات کو ایمان نصیب نہ ہوا، سورہ احقاف کی آیت وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ (۴۶:۲۹) میں اس کا پورا بیان گزر چکا ہے،

ستاروں کا ٹوٹنا آسمان کا محفوظ ہو جانا جنات ہی کے لئے نہیں بلکہ انسانوں کے لئے بھی ایک خوفناک علامت تھی، وہ گھبرا رہے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اور عموماً انبیاء کی تشریف آوری اور دین اللہ کے اظہار کے وقت ایسا ہوتا بھی تھا،

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں:

شیاطین اس سے پہلے آسمانی بیٹھکوں میں بیٹھ کر فرشتوں کی آپس کی باتیں اڑالایا کرتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر بنائے گئے تو ایک رات ان شیاطین پر بڑی شعلہ باری ہوئی جسے دیکھ کر اہل طائف گھبرا گئے کہ شاید آسمان والے ہلاک ہوگئے انہوں نے دیکھا کہ تابڑ توڑ ستارے ٹوٹ رہے ہیں، شعلے اڑ رہے ہیں اور دور دور تک تیزی کے ساتھ جارہے ہیں انہوں نے اپنے غلام آزاد کرنے، اپنے جانور راہ اللہ چھوڑنے شروع کر دیئے آخر عبد یا لیل بن عمرو بن عمیر نے ان سے کہا کہ اے طائف والو تم کیوں اپنے مال برباد کر رہے ہو؟

وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا (٧)

اور (انسانوں) نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کر لیا تھا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا (یا کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا)

یہ مسلمان جن اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اے جنو! جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اسی خیال میں تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں پر جاتے کسی جگہ بیٹھتے اور کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سنتے اور پھر آ کر کاہنوں کو خبر دیتے تھے اور کاہن ان باتوں کو بہت کچھ نمک مرچ لگا کر اپنے ماننے والوں سے کہتے، اب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور آپ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو آسمان پر زبردست پہرے بٹھا دیئے گئے اور ان شیاطین کو پہلے کی طرح وہاں جا بیٹھنے اور باتیں اُڑالانے کا موقعہ نہ رہا، تاکہ قرآن کریم اور کاہنوں کا کلام خلط ملط نہ ہو جائے اور حق کے متلاشی کو دقت واقع نہ ہو۔

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا (٨)

اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں اور سخت شعلوں سے پُر پایا

وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا (٩)

اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لئے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے

یہ مسلمان جنات اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ پہلے تو ہم آسمان پر جا بیٹھتے تھے مگر اب تو سخت پہرے لگے ہوئے ہیں اور آگ کے شعلے تاک لگائے ہوئے ہیں ایسے چھوٹ کر آتے ہیں کہ خطا ہی نہیں کرتے جلا کر بھسم کر دیتے ہیں، اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے حقیقی مراد کیا ہے؟

وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (١٠)

ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا انکے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے

اہل زمین کی کوئی برائی چاہی گئی ہے یا ان کے ساتھ ان کے رب کا ارادہ نیکی اور بھلائی کا ہے، خیال کیجئے کہ یہ مسلمان جن کس قدر ادب داں تھے کہ برائی کی اسناد کے لئے کسی فاعل کا ذکر نہیں کیا اور بھلائی کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور کہا کہ دراصل آسمان کی اس نگرانی اس حفاظت سے کیا مطلب ہے، اسے ہم نہیں جانتے۔

جس طرح کسی شہر میں جاتے تو وہاں کے بڑے رئیس کی پناہ لے لیتے تا کہ شہر کے اور دشمن لوگ انہیں ایذاء نہ پہنچائیں،

جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان بھی ہماری پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی اور انہوں نے اور بری طرح انسانوں کو ستانا شروع کیا

اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جنات نے یہ حالت دیکھ کر انسانوں کو اور خوف زدہ کرنا شروع کیا اور انہیں طرح طرح سے ستانے لگے۔

دراصل جنات انسانوں سے ڈرا کرتے تھے جیسے کہ انسان جنوں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان جا پہنچتا تھا وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب سے اہل شرک نے خود ان سے پناہ مانگنی شروع کی اور کہنے لگے کہ اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اس سے کہ ہمیں ہماری اولاد و مال کو کوئی ضرر نہ پہنچے اب جنوں نے سمجھا کہ یہ تو خود ہم سے ڈرتے ہیں تو ان کی جرأت بڑھ گئی اور اب طرح طرح سے ڈرانا ستانا اور چھیڑنا انہوں نے شروع کیا، وہ گناہ، خوف، طغیانی اور سرکشی میں اور بڑھ گئے۔

کردم بن ابو سائب انصاری کہتے ہیں:

میں اپنے والد کے ہمراہ مدینہ سے کسی کام کے لئے باہر نکلا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی تھی اور مکہ شریف میں آپ بحیثیت پیغمبر ظاہر ہو چکے تھے رات کے وقت ہم ایک چرواہے کے پاس جنگل میں ٹھہر گئے آدھی رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور بکری اٹھا کر لے بھاگا، چرواہا اس کے پیچھے دوڑا اور پکار کر کہنے لگا اے اس جنگل کے آباد رکھنے والے تیری پناہ میں آیا ہوا ایک شخص لٹ گیا، ساتھ ہی ایک آواز آئی حالانکہ کوئی شخص نظر نہ آتا تھا کہ اے بھیڑیئے اس بکری کو چھوڑ دے، تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ وہی بکری بھاگی بھاگی آئی اور ریوڑ میں مل گئی اسے زخم بھی نہیں لگا تھا،

یہی بیان اس آیت میں ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں اتری کہ بعض لوگ جنات کی پناہ مانگا کرتے تھے،

ممکن ہے کہ یہ بھیڑیا بن کر آنے والا بھی جن ہی ہو اور بکری کے بچے کو پکڑ کر لے گیا ہو اور چرواہے کی اس دہائی پر چھوڑ دیا ہو تا کہ چرواہے کو اور پھر اس کی بات سن کر اوروں کو اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ جنات کی پناہ میں آجانے سے نقصانات سے محفوظ رہتے ہیں اور پھر اس عقیدے کے باعث وہ اور گمراہ ہوں اور اللہ کے دین سے خارج ہو جائیں۔ واللہ اعلم

پھر یہ جنات اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ ہمارے رب کے کام قدرت اور امر بہت بلند و بالا، بڑا ذیشان اور ذی عزت ہے، اس کی نعمتیں، قدرتیں اور مخلوق پر مہربانیاں بہت باوقعت ہیں اس کی جلالت و عظمت بلند پایہ ہے اس کا جلال واکرام بڑھا چڑھا ہے اس کا ذکر بلند رتبہ ہے اس کی شان اعلیٰ ہے،

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جَد کہتے ہیں باپ کو۔ اگر جنات کو یہ علم ہوتا کہ انسانوں میں جَد ہوتا ہے تو وہ اللہ کی نسبت یہ لفظ نہ کہتے، یہ قول گو سنداً قوی ہے لیکن کلام بنتا نہیں اور کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا ممکن ہے اس میں کچھ کلام چھوٹ گیا ہو واللہ اعلم،

پھر اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اللہ اس سے پاک اور برتر ہے کہ اس کی بیوی ہو یا اس کی اولاد ہو،

وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا (٤)

اور یہ کہ ہم میں ایک بیوقوف اللہ کے بارے میں خلاف حق باتیں کہا کرتا تھا

پھر کہتے ہیں کہ ہمارا بیوقوف یعنی شیطان اللہ پر جھوٹ تہمت رکھتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد اس سے عام ہو یعنی جو شخص اللہ کی اولاد اور بیوی ثابت کرتا ہے بے عقل ہے، جھوٹ بکتا ہے، باطل عقیدہ رکھتا ہے اور ظالمانہ بات منہ سے نکالتا ہے،

وَأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا (٥)

اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور جنات اللہ پر جھوٹی باتیں لگائیں

پھر فرماتے ہیں کہ ہم تو اسی خیال میں تھے کہ جن وانس اللہ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتے لیکن قرآن سن کر معلوم ہوا کہ یہ دونوں جماعتیں رب العالمین پر تہمت رکھتی تھیں دراصل اللہ کی ذات اس عیب سے پاک ہے،

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا (٦)

بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے

پھر کہتے ہیں کہ جنات کے زیادہ بہکنے کا سبب یہ ہوا کہ وہ دیکھتے تھے کہ انسان جب کبھی کسی جنگل یا ویرانے میں جاتے ہیں تو جنات کی پناہ طلب کیا کرتے ہیں، جیسے کہ جاہلیت کے زمانہ کے عرب کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی پڑاؤ پر اترتے تو کہتے کہ اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں ہم آتے ہیں اور سمجھتے تھے کہ ایسا کہہ لینے کے بعد تمام جنات کے شر سے ہم محفوظ ہو جاتے ہیں،

Surah Jinn

سورة الجِنّ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡآنًا عَجَبًا (۱)

تو کہہ کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجب قرآن سنا ہے

يَهۡدِي إِلَى الرُّشۡدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَنۡ نُشۡرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا (۲)

جو راہ راست سمجھاتا ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے (اب) ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اپنی قوم کو اس واقعہ کی اطلاع دو کہ جنوں نے قرآن کریم سنا اسے سچا مانا اس پر ایمان لائے اور اس کے مطیع بن گئے، تو فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کہو میری طرف وحی کی گئی کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کریم سنا اور اپنی قوم میں جا کر خبر دی کہ آج ہم نے عجیب و غریب کتاب سنی جو سچا اور نجات کا راستہ بتاتی ہے ہم تو اسے مان چکے ناممکن ہے کہ اب ہم اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کریں۔یہی مضمون ان آیتوں میں گزر چکا ہے:

وَإِذۡ صَرَفۡنَا إِلَيۡكَ نَفَرًا مِّنَ الۡجِنِّ يَسۡتَمِعُونَ الۡقُرۡآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنۡصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوۡا إِلَى قَوۡمِهِمۡ مُّنۡذِرِينَ (۴۶:۲۹)

اور یاد کرو! جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب (نبی کے) پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے خاموش ہو جاؤ پھر جب پڑھ کر ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے واپس لوٹ گئے۔

یعنی جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف لوٹایا کہ وہ قرآن سنیں اور اس کی تفسیر احادیث سے وہیں ہم بیان کر چکے ہیں یہاں لوٹانے کی ضرورت نہیں،

وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا (۳)

اور بیشک ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے نہ بیٹا

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو بھی ایماندار ہو کر میرے گھر میں آئے اور تمام مؤمن مردوں اور کل ایماندار عورتوں کو بخش دے

ساتھ ہی اپنے لئے بخشش طلب کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں میرے رب، مجھے بخش، میرے والدین کو بخش اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں آجائے اور ہو بھی وہ باایمان،

گھر سے مراد مسجد بھی لی ہے لیکن عام مراد یہی ہے، مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مؤمن ہی کے ساتھ بیٹھو، رہو، سہو اور صرف پرہیزگار ہی تیرا کھانا کھائیں،

یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے، امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف اسی اسناد سے یہ حدیث معروف ہے،

پھر اپنی دعا کو عام کرتے ہیں اور کہتے ہیں تمام ایماندار مرد و عورت کو بھی بخش خواہ زندہ ہوں خواہ مردہ،

اسی لئے مستحب ہے کہ ہر شخص اپنی دعا میں دوسرے مؤمنوں کو بھی شامل رکھے تاکہ حضرت نوحؑ کی اقتدار بھی ہو اور ان احادیث پر بھی عمل ہو جائے جو اس بارے میں ہیں اور وہ دعائیں بھی آجائیں جو منقول ہیں،

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا (۲۸)

اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا

پھر دعا کے خاتمے پر کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان کافروں کو تو تباہی، بربادی، ہلاکت اور نقصان میں ہی بڑھاتا رہ، دنیا و آخرت میں برباد ہی رہیں۔

****

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (٢٦)

اور (حضرت) نوحؑ نے کہا کہ اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ

نوح نبی علیہ السلام ان بد نصیبوں کی اپنے قادر و ذوالجلال اللہ کی چوکھٹ پر اپنا ماتھا رکھ کر فریاد کرتے ہیں اور اس مالک سے ان پر آفت و عذاب نازل کرنے کی درخواست پیش کرتے ہیں کہ اللہ اب تو ان ناشکروں میں سے ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا نہ چھوڑ، اور یہی ہوا بھی کہ سارے کے سارے غرق کر دیئے گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جو باپ سے الگ رہا تھا وہ بھی نہ بچ سکا، سمجھا تو یہ تھا کہ پانی میرا کیا بگاڑ لے گا میں کسی بڑے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا لیکن وہ پانی تو نہ تھا وہ تو غضب الٰہی تھا، وہ تو بد دعائے نوح تھا اس سے بھلا کون بچا سکتا تھا؟ پانی نے اسے وہیں جا لیا اور اپنے باپ کے سامنے باتیں کرتے کرتے ڈوب گیا۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر طوفان نوح میں اللہ تعالیٰ کسی پر رحم کرتا تو اس کے لائق وہ عورت تھی جو پانی کو ابلتے اور برستے دیکھ کر اپنے بچے کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پہاڑ پر چڑھ گئی جب پانی وہاں بھی آ گیا ہے تو بچے کو اٹھا کر اپنے مونڈھے پر بٹھا لیا جب پانی وہاں پہنچا تو اس نے بچے کو سر پر اٹھا لیا، جب پانی سر تک جا چڑھا تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر سر سے بلند کر لیا لیکن آخر پانی وہاں تک جا پہنچا اور ماں بیٹا ڈوب گئے، اگر اس دن زمین کے کافروں میں سے کوئی بھی قابل رحم ہوتا تو یہ عورت تھی مگر یہ بھی نہ بچ سکی نہ ہی بیٹے کو بچا سکی۔

یہ حدیث غریب ہے لیکن راوی اس کے سب ثقہ ہیں۔

الغرض روئے زمین کے کافر غرق کر دیئے گئے۔ صرف وہ باایمان ہستیاں باقی رہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں تھیں اور حضرت نوحؑ نے انہیں اپنے ساتھ اپنی کشتی میں سوار کر لیا تھا،

إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (٢٧)

اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کر دیں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔

چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو سخت تلخ اور دیرینہ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے اپنی ناامیدی کو ظاہر فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ یا الٰہی میری چاہت ہے کہ ان تمام کفار کو برباد کر دیا جائے، ان میں سے جو بھی باقی بچ رہا وہی دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے گا اور جو نسل اس کی پھیلے گی وہ بھی اسی جیسی بدکار اور کافر ہو گی،

وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ

اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا

انہوں نے بہت مخلوق کو گمراہ کیا اس وقت سے لے کر اب تک عرب عجم میں اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش شروع ہو گئی اور اللہ کی مخلوق بہک گئی، چنانچہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ یا الٰہی انہوں نے اکثر مخلوق کو بے راہ کر دیا۔

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا (۲۴)

(الٰہی) تو ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے لئے بد دعا کرتے ہیں کیونکہ ان کی سرکشی ضد اور عداوت حق خوب ملاحظہ فرما چکے تھے تو کہتے ہیں کہ الٰہی انہیں گمراہی میں اور بڑھا دے،

جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کے لئے بد دعا کی تھی کہ پروردگار ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے انہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں،

چنانچہ دعاء نوح قبول ہوتی ہے اور قوم نوح بسبب اپنی تکذیب کے غرق کر دی جاتی ہے۔

مِمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا (۲۵)

یہ لوگ بسبب اپنے گناہوں کے ڈبو دیئے گئے اور جہنم میں پہنچا دیئے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار انہوں نہیں پایا۔

خَطِيئَاتِهِمْ کی دوسری قرأت خطایاھم بھی ہے فرماتا اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے یہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے ان کی سرکشی، ضد اور ہٹ دھرمی ان کی مخالفت و دشمنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حد سے گزر گئی تو انہیں پانی میں ڈبو دیا گیا، اور یہاں سے آگ کے گڑھے میں دھکیل دیئے گئے اور کوئی نہ کھڑا ہوا جو انہیں ان عذابوں سے بچا سکتا، جیسے فرمان ہے:

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ (۱۱:۴۳)

آج کے دن عذاب اللہ سے کوئی نہیں بچا سکتا صرف وہی نجات یافتہ ہو گا جس پر اللہ رحم کرے،

حضرت محمد بن قیسؒ فرماتے ہیں:

یہ بزرگ عابد، اللہ والے، اولیاء اللہ، حضرت آدمؑ، اور حضرت نوحؑ کے سچے تابع فرمان صالح لوگ تھے جن کی پیروی اور لوگ بھی کرتے تھے جب یہ مر گئے تو ان کے مقتدیوں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ہمیں عبادت میں خوب دلچسپی رہے گی اور ان بزرگوں کی صورتیں دیکھ کر شوق عبادت بڑھتا رہے گا چنانچہ ایسا ہی کیا

جب یہ لوگ بھی مر کھپ گئے اور ان کی نسلیں آئیں تو شیطان نے انہیں یہ گھٹی پلائی کہ تمہارے بڑے ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور انہیں سے بارش وغیرہ مانگتے تھے چنانچہ انہوں نے اب باقاعدہ ان بزرگوں کی تصویروں کی پرستش شروع کر دی،

حافظ ابن عساکرؒ حضرت شیث علیہ السلام کے قصے میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے بیس لڑکے بیس لڑکیاں ان میں سے جن کی بڑی عمریں ہوئیں ان میں ہابیل، قابیل، صالح اور عبد الرحمٰن تھے جن کا پہلا نام عبد الحارث تھا اور ود تھا جنہیں شیث اور ہبتہ اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ تمام بھائیوں نے سرداری انہیں کو دے رکھی تھی۔ ان کی اولاد یہ چاروں تھے یعنی سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کی بیماری کی قوت ان کی اولاد ود، یغوث، یعوق، سواع اور نسر تھی۔ ود ان سب میں بڑا اور سب سے نیک سلوک کرنے والا تھا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابو جعفرؒ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں نے زید بن مہلب کا ذکر کیا آپ نے فارغ ہو کر فرمایا سنو وہ وہاں قتل کیا گیا جہاں اب سے پہلے غیر اللہ کی پرستش ہوئی:

واقعہ یہ ہوا کہ ایک دیندار ولی اللہ مسلمان جسے لوگ بہت چاہتے تھے اور بڑے معتقد تھے وہ مر گیا، یہ لوگ مجاور بن کر اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور رونا پیٹنا اور اسے یاد کرنا شروع کیا اور بڑے بے چین اور مصیبت زدہ ہو گئے ابلیس نے یہ دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آکر ان سے کہا کہ اس بزرگ کی یادگار کیوں قائم نہیں کر لیتے؟ جو ہر وقت تمہارے سامنے رہے اور تم اسے نہ بھولو، سب نے اس رائے کو پسند کیا

ابلیس نے اس بزرگ کی تصویر بنا کر ان کے پاس کھڑی کر دی جسے دیکھ دیکھ کر یہ لوگ اسے یاد کرتے تھے اور اس کی عبادت کے تذکرے رہتے تھے، جب وہ سب اس میں مشغول ہو گئے تو ابلیس نے کہا تم سب کو یہاں آنا پڑتا ہے اس لئے یہ بہتر ہو گا کہ میں اس کی بہت سی تصویریں بنا دوں تم انہیں اپنے اپنے گھروں میں ہی رکھ لو، وہ اس پر بھی راضی ہوئے اور یہ بھی ہو گیا،

اب تک صرف یہ تصویریں اور یہ بت بطور یادگار کے ہی تھے مگر ان کی دوسری پشت میں جا کر براہ راست ان ہی کی عبادت ہونے لگی اصل واقعہ سب فراموش کر گئے اور اپنے باپ دادا کو بھی ان کی عبادت کرنے والا سمجھ کر خود بھی بت پرستی میں مشغول ہو گئے، ان کا نام ود تھا اور یہی پہلا وہ بت ہے جس کی پوجا اللہ کے سوا کی گئی۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا (۲۲)

اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا،

اور ان رئیسوں نے جو مال وجاہ والے تھے ان سے بڑی مکاری کی۔

قیامت کے دن بھی یہ لوگ یہی کہیں گے کہ تم دن رات مکاری سے ہمیں کفر وشرک کا حکم کرتے رہے

كُبَّارِ اور كِبَّار دونوں معنی میں کبیر کے ہیں یعنی بہت بڑا۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (۲۳)

اور کہا انہوں نے کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (چھوڑنا)

اور انہی بڑوں نے ان چھوٹوں سے کہا کہ اپنے ان بتوں کو جنہیں تم پوجتے رہے ہرگز نہ چھوڑنا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قوم نوح کے بتوں کو کفار عرب نے لے لیا

- دومتہ الجندل میں قبیلہ کلب ود کو پوجتے تھے،
- ہذیل قبیلہ سواع کا پرستار تھا اور قبیلہ مراد
- پھر قبیلہ بنو غطیف جو صرف کے رہنے والے تھے یہ سبا بستی کے پاس ہے یغوث کی پوجا کرتا تھا،
- ہملان قبیلہ یعوق کا پجاری تھا،
- آل ذی کلاع کا قبیلہ حمیر نسر بت کا ماننے والا تھا،

یہ سب بت دراصل قوم نوح کے صالح بزرگ اولیاء اللہ لوگ تھے ان کے انتقال کے بعد شیطان نے اس زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں میں ان کی کوئی یادگار قائم کریں، چنانچہ انہوں نے وہاں نشان بنادیئے اور ہر بزرگ کے نام پر انہیں مشہور کیا۔ جب تک یہ لوگ زندہ رہے تب تک تو اس جگہ کی پرستش نہ ہوئی لیکن ان نشانات اور یادگار قائم کرنے والے لوگوں کو مر جانے کے بعد اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جو لوگ آئے جہالت کی وجہ سے انہوں نے باقاعدہ ان جگہوں کی اور ان ناموں کی پوجا پاٹ شروع کردی۔

حضرت عکرمہؒ حضرت ضحاک حضرت قتادہؒ حضرت ابن اسحاق بھی یہی فرماتے ہیں۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا (١٩)

اور تمہارے لئے زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنادیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارا فرش بنادیا اور وہ ہلے جلے نہیں اس لئے اس پر مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے،

لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (٢٠)

تاکہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو پھرو۔

اسی زمین کے کشادہ راستوں پر تم چلتے پھرتے ہو اسی پر رہتے سہتے ہو ادھر سے ادھر جاتے آتے ہو،

غرض حضرت نوح علیہ السلام کی ہر ممکن کوشش یہ ہے کہ عظمت رب اور قدرت اللہ کے نمونے اپنی قوم کے سامنے رکھ کر انہیں سمجھارہے ہیں کہ زمین و آسمان کی برکتوں کے دینے والے ہر چیز کے پیدا کرنے والے عالی شان قدرت کے رکھنے والے رازق خالق اللہ کا کیا تم پر اتنا بھی حق نہیں کہ تم اسے پوجو اس کا لحاظ رکھو اور اس کے کہنے سے اس کے سچے نبی کی راہ اختیار کرو، تمہیں ضرور چاہئے کہ صرف اسی کی عبادت کرو کسی اور کو نہ پوجو، اس جیسا اس کا شریک، اس کا ساجھی، اس کا مثیل کسی کو نہ جانو، اسے بیوی اور ماں سے، بیٹوں پوتوں، وزیرو مشیر سے، عدیل و نظیر سے پاک مانو اسی کو بلند و بالا اسی کو عظیم و اعلیٰ جانو۔

قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا (٢١)

نوحؑ نے کہا اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری تو نافرمانی کی اور ایسوں کی فرمانبرداری کی جن کے مال واولاد نے (یقیناً) نقصان ہی میں بڑھایا ہے

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی گزشتہ شکایتوں کے ساتھ ہی جناب باری تعالیٰ کے حضور میں اپنی قوم کے لوگوں کی اس روش کو بھی بیان کیا کہ میری پکار کو جو ان کے لئے سراسر نفع بخش تھی انہوں نے کان تک نہ لگایا ہاں اپنے مالداروں اور بے فکروں کی مان لی جو تیرے امر سے بالکل غافل تھے اور مال و اولاد کے پیچھے مست تھی، گو فی الواقع وہ مال و اولاد بھی ان کے لئے سراسر وبال جان تھی، کیونکہ ان کی وجہ سے وہ پھولتے تھے اور اللہ کو بھولتے تھے اور زیادہ نقصان میں اترتے جاتے تھے

وَلَدُهُ کی دوسری قرأت وَلَدَهُ بھی ہے

حرکتوں کو مبداء ہے وہ مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتا ہے اور باقی سب آسمان مشرق سے مغرب کی طرف اور انہی کے ساتھ کواکب بھی گھومتے پھرتے رہتے ہیں،

لیکن سیاروں کی حرکت، افلاک کی حرکت کے بالکل برعکس ہے وہ سب مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں اور ان میں کا ہر ایک اپنے آسمان کا پھیر اپنے مقدور کے مطابق کرتا ہے، چاند تو ہر ماہ میں ایک بار سورج ہر سال میں ایک بار زحل ہر تیس سال میں ایک مرتبہ۔ مدت کی یہ کمی بیشی با اعتبار آسمان کی لمبائی چوڑائی کے ہے ورنہ سب کی حرکت سرعت میں بالکل مناسبت رکھتی ہے،

یہ خلاصہ ہے ان کی تمام تر باتوں کا جس میں ان میں آپس میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے نہ ہم اسے یہاں وارد کرنا چاہتے ہیں نہ اس کی تحقیق و تفتیش سے اس وقت کوئی غرض ہے مقصود صرف اس قدر ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سات آسمان بنائے ہیں اور وہ اوپر تلے ہیں،

پھر ان میں سورج چاند پیدا کیا ہے، دونوں کی چمک دمک اور روشنی اور اجالا الگ الگ ہے جس سے دن رات کی تمیز ہو جاتی ہے، پھر چاند کی مقررہ منزلیں اور بروج ہیں پھر اس کی روشنی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ بالکل چھپ جاتا ہے اور ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ اپنی پوری روشنی کے ساتھ نمودار ہوتا ہے جس سے مہینے اور سال معلوم ہوتے ہیں، جیسے فرمان ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (١٠:٥)

اللہ وہ ہے جس نے سورج، چاند خوب روشن چمکدار بنائے اور چاند کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تمہیں سال اور حساب معلوم ہو جائیں ان کی پیدائش حق کے ساتھ ہے۔ عالموں کے سامنے اللہ کی قدرت کے یہ نمونے الگ الگ موجود ہیں،

وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا (١٧)

اور تم کو زمین سے ایک خاص اہتمام سے اُگایا ہے

ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا (١٨)

پھر تمہیں اسی میں لوٹا لے جائے گا اور ایک خاص طریقہ سے پھر نکالے گا

پھر فرمایا اللہ نے تمہیں زمین سے اُگایا، اس مصدر نے مضمون کو بیحد لطیف کر دیا، پھر تمہیں مار ڈالنے کے بعد اسی میں لوٹائے گا، پھر قیامت کے دن اسی سے تمہیں نکالے گا، جیسے اول دفعہ پیدا کیا تھا،

نصیب ہوں گے جن کے درمیان چاروں طرف اور بابرکت پانی کی ریل پیل ہو گی، ہر طرف نہریں اور دریا جاری ہو جائیں گے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا (١٣)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا (١٤)

حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے پیدا کیا ہے۔

اس طرح رغبت دلا کر پھر ذرا خوف زدہ بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں تم اللہ کی عظمت کے قائل کیوں نہیں ہوتے؟ اس کے عذاب سے بے باک کیوں ہو گئے ہو؟ دیکھتے نہیں کہ اللہ نے تمہیں کن کن حالات میں کس کس طرح حالت بدل بدل کر ساتھ پیدا کیا ہے؟ پہلے پانی کی بوند پھر جامد خون پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اور صورت پھر اور حالت وغیرہ،

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا (١٥)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کر دیئے ہیں۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (١٦)

اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے۔

اسی طرح دیکھو تو سہی کہ اس نے ایک پر ایک اس طرح آسمان پیدا کئے خواہ وہ صرف سننے سے ہی معلوم ہوئے ہوں یا ان وجوہ سے معلوم ہوئے ہوں جو محسوس ہیں جو ستاروں کی چال اور ان کے کسوف (گہن) سے سمجھی جا سکتی ہیں جیسے کہ اس علم والوں کا بیان ہے،

گو اس میں بھی ان کا سخت تر اختلاف ہے کہ کواکب چلنے پھرنے والے بڑے بڑے سات ہیں۔ ایک ایک کو بے نور کر دیتا ہے، سب سے قریب آسمان دنیا میں چاند ہے جو دوسروں کو ماند کئے ہوئے ہے اور دوسرے آسمان پر عطارد ہے، تیسرے میں زہرہ ہے، چوتھے میں سورج ہے، پانچویں میں مریخ ہے، چھٹے میں مشتری، ساتویں میں زحل اور باقی کواکب جو ثوابت ہیں وہ آٹھویں میں ہیں جس کا نام یہ لوگ فلک ثوابت رکھتے ہیں اور ان میں سے جو شروع والے ہیں وہ اسے کرسی کہتے ہیں، اور نواں فلک ان کے نزدیک اطلس اور اثیر ہے جس کی حرکت ان کے خیال میں افلاک کی حرکت کے خلاف ہے اس لئے کہ دراصل اس کی حرکت اور

اور بسا اوقات ایک ایک کو چپکے چپکے بھی سمجھایا غرض تمام جتن کر لئے کہ یوں نہیں یوں سمجھ جائیں اور راہ راست پر آ جائیں،

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (١٠)

اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے

میں نے ان سے کہا کہ کم از کم تم اپنی بدکاریوں سے توبہ ہی کر لو وہ اللہ غفار ہے ہر جھکنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے اور خواہ اس سے کیسے ہی بد سے بدتر اعمال سرزد ہوئے ہوں ایک آن میں معاف فرما دیتا ہے، یہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی وہ تمہیں تمہارے استغفار کی وجہ سے طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور درد و دکھ سے بچا لے گا،

يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا (١١)

وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا

وہ تم پر خوب موسلا دھار بارش برسائے گا۔

یہ یاد رہے کہ قحط سالی کے موقعہ پر جب نماز استسقاء کے لئے مسلمان نکلیں تو مستحب ہے کہ اس نماز میں اس سورت کو پڑھیں، اس کی ایک دلیل تو یہی آیت ہے دوسرے خلیفتہ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل بھی یہی ہے۔ آپ سے مروی ہے:

بارش مانگنے کے لئے جب آپ نکلے تو منبر پر چڑھ کر آپ نے خوب استغفار کیا اور استغفار والی آیتوں کی تلاوت کی، جن میں ایک آیت یہ بھی تھی۔ پھر فرمانے لگے کہ بارش کو میں نے بارش کی تمام راہوں سے جو آسمان میں ہیں طلب کر لیا ہے یعنی وہ احکام ادا کئے ہیں، جن سے اللہ بارش نازل فرمایا کرتا ہے۔

وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا (١٢)

اور تمہیں خوب پے درپے مال اور اولاد میں ترقی دیگا اور تمہیں باغات دیگا اور تمہارے لئے نہریں نکال دیگا۔

حضرت نوحؑ فرماتے ہیں اے میری قوم کے لوگو تم اگر استغفار کرو گے تو بارش کے ساتھ ہی ساتھ رزق کی برکت بھی تمہیں ملے گی زمین و آسمان کی برکتوں سے تم مالا مال ہو جاؤ گے کھیتیاں خوب ہوں گی جانوروں کے تھن دودھ سے پر رہیں گے مال و اولاد میں ترقی ہو گی قسم قسم کے پھلوں سے لدے پھندے باغات تمہیں

اپنی ضد پر اڑ گئے، حضرت نوح علیہ السلام بطور شکایت کے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ الٰہی میں نے تیرے حکم کی پوری طرح سرگرمی سے تعمیل کی، تیرے فرمان عالیشان کے مطابق نہ دن کو دن سمجھا، نہ رات کو رات، بلکہ مسلسل ہر وقت انہیں راہ راست کی دعوت دیتا رہا لیکن کیا کروں کہ جس دل سوزی سے میں انہیں نیکی کی طرف بلاتا رہا وہ اسی سختی سے مجھ سے بھاگتے رہے حق سے روگردانی کرتے رہے،

وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ

میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لئے بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں

یہاں تک ہوا کہ میں نے ان سے کہا آؤ رب کی سنو تاکہ رب تمہیں بخشے لیکن انہوں نے میرے ان الفاظ کا سننا بھی گوارا نہ کیا، کان بند کر لئے، یہی حال کفار قریش کا تھا کہ کلام اللہ کو سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے جیسے ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (۴۱:۲۶)

کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جاتا ہو تو شور غل کرو تاکہ تم غالب رہو،

وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا (۷)

اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور اَڑ گئے اور پھر بڑا تکبر کیا،

قوم نوح نے جہاں اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں وہاں اپنے منہ بھی کپڑوں سے چھپا لئے تاکہ وہ پہچانے بھی نہ جائیں اور نہ کچھ سنیں اپنے شرک و کفر پر ضد کے ساتھ اڑ گئے اور اتباع حق سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس سے بے پرواہی کی اور اسے حقیر جان کر تکبر سے پیٹھ پھیر لی،

ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا (۸)

پھر میں نے انہیں با آواز بلند بلایا۔

حضرت نوحؑ فرماتے ہیں عام لوگوں کے مجمع میں بھی میں نے انہیں کہا سنا با آواز بلند ان کے کان کھول دیئے

ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا (۹)

بیشک میں نے ان سے اعلانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی۔

مِنْ یہاں زائد ہے، اثبات کے موقعہ پر بھی کبھی لفظ مِنْ زائد آ جاتا ہے جیسے عرب کے مقولے قد کان من مطر میں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنی میں عن کے ہو بلکہ ابن جریرؒ تو اسی کو پسند فرماتے ہیں

اور یہ قول بھی ہے کہ مِنْ تبعیض کے لئے ہے یعنی تمہارے کچھ گناہ معاف فرما دے گا۔

وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

اور تمہیں ایک وقت مقررہ تک چھوڑ دے گا

یعنی وہ گناہ جن پر سزا کا وعدہ ہے اور وہ بڑے بڑے گناہ ہیں، اگر تم نے یہ تینوں کام کئے تو وہ معاف ہو جائیں گے اور جس عذاب کے ذریعے وہ تمہیں اب تمہاری ان خطاؤں اور غلط کاریوں کی وجہ سے برباد کرنے والا ہے اس عذاب کو ہٹا دے گا اور تمہاری عمریں بڑھا دے گا،

اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ اطاعت اللہ اور نیک سلوک اور صلہ رحمی سے حقیقتاً عمر بڑھ جاتی ہے، حدیث میں یہ بھی ہے کہ صلہ رحمی عمر بڑھاتی ہے۔

إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (٤)

یقیناً اللہ کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا کاش تمہیں سمجھ ہوتی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ نیک اعمال اس سے پہلے کر لو کہ اللہ کا عذاب آ جائے اس لئے جب وہ آ جاتا ہے پھر نہ اسے کوئی ہٹا سکتا ہے نہ روک سکتا ہے، اس بڑے کی بڑائی نے ہر چیز کو پست کر رکھا ہے اس کی عزت و عظمت کے سامنے تمام مخلوق پست ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّى دَعَوْتُ قَوْمِى لَيْلًا وَنَهَارًا (٥)

(نوح علیہ السلام نے) کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا ہے۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىٓ إِلَّا فِرَارًا (٦)

مگر میرے بلانے سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے۔

بیان ہو رہا ہے کہ ساڑھے نو سو سال تک کی لمبی مدت میں کس طرح حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا قوم نے کس کس طرح اعراض کیا کیسی کیسی تکلیفیں اللہ کے پیارے پیغمبر کو پہنچائیں اور کس طرح

Surah Nuh

سورۃ نُوح

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمَٰنِ الرَّحِيمِ

إِنَّآ أَرۡسَلۡنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوۡمِهِۦٓ أَنۡ أَنذِرۡ قَوۡمَكَ مِن قَبۡلِ أَن يَأۡتِيَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۱)

یقیناً ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا دو (اور خبر دار کر دو) اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آجائے

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اپنی قوم کو ہوشیار کر دو اگر وہ توبہ کر لیں گے اور اللہ کی طرف جھکنے لگیں گے تو اللہ کا عذاب ان سے اٹھ جائے گا،

قَالَ يَٰقَوۡمِ إِنِّي لَكُمۡ نَذِيرٌ مُّبِينٌ (۲)

(نوح علیہ السلام نے) کہا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

أَنِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ (۳)

کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کا پیغام اپنی اُمت کو پہنچا دیا اور صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں کھلے لفظوں میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں، میں صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ اللہ کی عبادت اس کا ڈر اور میری اطاعت لازمی چیزیں ہیں جو کام رب نے تم پر حرام کئے ہیں ان سے بچو گناہ کے کاموں سے الگ تھلگ رہو جو میں کہوں بجا لاؤ جس سے روکوں رک جاؤ میری رسالت کی تصدیق کرو

يَغۡفِرۡ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمۡ

تو وہ خود تمہارے گناہ بخش دے گا

تو اللہ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا،

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے جھٹلانے، کفر کرنے، سرکشی میں بڑھنے ہی میں چھوڑ دو جس کا وبال ان پر اس دن آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ انہیں بلائے گا اور یہ میدان محشر کی طرف جہاں انہیں حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا اس طرح لپکتے ہوئے جائیں گے جس طرح دنیا میں کسی بت یا علم، تھان اور چلے کو چھونے اور ڈنڈوت کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے جاتے ہیں،

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ

ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہونگیں ان پر ذلت چھا رہی ہو گی

مارے شرم وندامت کے نگاہیں زمین میں گڑی ہوئی ہوں گی اور چہروں پر پھٹکار برس رہی ہو گی، یہ ہے دنیا میں اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنے کا نتیجہ !

ذَلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ (۴۴)

یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا

اور یہ ہے وہ دن جس کے ہونے کو آج محال جانتے ہیں اور ہنسی مذاق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم، شریعت اور کلام الٰہی کی حقارت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت کیوں قائم نہیں ہوتی ؟

ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

****

یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ مشرق اور مغرب کے پروردگار کی قسم ہم ان کے ان جسموں کو جیسے یہ آپ ہیں اس سے بھی بہتر صورت میں بدل ڈالنے پر پورے پورے قادر ہیں کوئی چیز کوئی شخص اور کوئی کام ہمیں عاجز اور درماندہ نہیں کر سکتا، جیسے اور جگہ ارشاد ہے:

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ (۷۵:۳،۴)

کیاانسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کریں گے ہی نہیں ہاں ضرور کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی پور پور تک درست کر دیں

یعنی کیا کسی شخص کا یہ گمان ہے کہ ہم اسکی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟ غلط گمان ہے بلکہ ہم تو اس کی پور پور جمع کر کے ٹھیک ٹھاک بنا دینگے، اور فرمایا:

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ عَلَى أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ (۵۶:۶۰،۶۱)

ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر دی ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تم جیسوں کو بدل ڈالیں اور تمہیں اس نئی پیدائش میں پیدا کریں جسے تم جانتے بھی نہیں،

پس ایک مطلب تو آیت مندرجہ بالا کا یہ ہے،

دوسرا مطلب امام ابن جریرؒ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہم قادر ہیں اس امر پر کہ تمہارے بدلے ایسے لوگ پیدا کر دیں جو ہمارے مطیع و فرمانبر دار ہوں اور ہماری نافرمانیوں سے رکے رہنے والے ہوں،

جیسے اور جگہ فرمان ہے:

وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (۴۷:۳۸)

یعنی اگر تم نے منہ موڑا تو اللہ تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا اور وہ تم جیسی نہ ہوگی،

لیکن پہلا مطلب دوسری آیتوں کی صاف دلالت کی وجہ سے زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ (۴۲)

پس تو انہیں جھگڑتا کھیلتا چھوڑ دے یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَى نُصُبٍ يُوفِضُونَ (۴۳)

جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے، گویا کہ وہ کسی جگہ کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ (۴۰)

پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی (کہ) ہم یقیناً قادر ہیں

پس یہاں بھی فرماتا ہے مجھے قسم ہے اس کی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور مشرق و مغرب متعین کی اور ستاروں کے چھپنے اور ظاہر ہونے کی جگہیں مقرر کر دیں، مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! جیسا تمہارا گمان ہے ویسا معاملہ نہیں کہ نہ حساب کتاب ہو نہ حشر نشر ہو بلکہ یہ سب یقیناً ہونے والی چیزیں ہیں۔ اسی لئے قسم سے پہلے ان کے باطل خیال کی تکذیب کی اور اسے اس طرح ثابت کیا کہ اپنی قدرت کاملہ کے مختلف نمونے ان کے سامنے پیش کئے، مثلاً آسمان وزمین کی ابتدائی پیدائش اور حیوانات، جمادات اور مختلف قسم کی مخلوق کی موجودگی،

جیسے اور جگہ ہے:

لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۴۰:۵۷)

آسمان وزمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں

مطلب یہ ہے کہ جب بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر اللہ قادر ہے تو چھوٹی چیزوں کی پیدائش پر کیوں قادر نہ ہو گا؟ جیسے اور جگہ ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى ۚ بَلَى إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۴۶:۳۳)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش میں نہ تھکا کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ قادر ہے اور ایک اس پر کیا ہر ایک چیز پر اسے قدرت حاصل ہے،

اور جگہ ارشاد ہے:

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَى وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (۳۶:۸۱،۸۲)

یعنی کیا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا، ان کے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں؟

ہاں ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے، وہ جس چیز کا اردہ کرے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ اسی وقت ہو جاتی ہے،

عَلَى أَنْ نُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ (۴۱)

اس پر ان کے عوض ان سے اچھے لوگ لے آئیں گے اور ہم عاجز نہیں ہیں

میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورتوں میں کیسے دیکھ رہا ہوں؟ (احمد)

ابن جریر میں اور سند سے بھی مروی ہے۔

أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ (٣٨)

کیاان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کیاان کی چاہت ہے کہ جنت نعیم میں داخل کئے جائیں؟

كَلَّا

(ایسا) ہرگز نہ ہوگا

ایسا نہ ہوگا، یعنی جب ان کی یہ حالت ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دائیں بائیں کتراجاتے ہیں پھر ان کی یہ چاہت پوری نہیں ہو سکتی بلکہ یہ جہنمی گروہ ہے،

إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ (٣٩)

ہم نے انہیں اس (چیز) سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں

اب جس چیز کو یہ محال جانتے تھے اس کا بہترین ثبوت ان ہی کی معلومات اور اقرار سے بیان ہو رہا ہے کہ جس نے تمہیں ضعیف پانی سے پیدا کیا ہے جیسے کہ خود تمہیں بھی معلوم ہے پھر کیا وہ تمہیں دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا؟ جیسے اور جگہ ہے:

أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ (۷:۲۰)

کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے (منی سے) پیدا نہیں کیا۔

جیسے اور جگہ فرمان ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ

إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ (۸۶:۵،۱۰)

انسان کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے، یقیناً وہ اللہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے جس دن پوشیدگیاں کھل جائیں گی اور کوئی طاقت نہ ہوگی نہ مددگار،

اللہ تعالیٰ عزوجل ان کافروں پر انکار کر رہاہے جو حضور علیہ السلام کے مبارک زمانہ میں تھے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دیکھ رہے تھے اور آپؐ جو ہدایت لے کر آئے وہ ان کے سامنے تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے معجزے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر باوجود ان تمام باتوں کے وہ بھاگ رہے تھے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر دائیں بائیں کترا جاتے تھے، جیسے اور جگہ فرمایا:

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (۷۴:۴۹،۵۱)

انہیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں گویا کہ وہ بھکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے ہوں

یعنی یہ نصیحت سے منہ پھیر کر ان گدھوں کی طرح جو شیر سے بھاگ رہے ہوں کیوں بھاگ رہے ہیں؟

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ (۳۶)

پس کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تیری طرف دوڑتے آتے ہیں۔

عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ (۳۷)

دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ

یہاں بھی اسی طرح فرمارہاہے کہ ان کفار کو کیا ہو گیا ہے یہ نفرت کر کے کیوں تیرے پاس سے بھاگے جا رہے ہیں؟ کیوں دائیں بائیں سرکتے جاتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ متفرق طور پر اختلاف کے ساتھ ادھر ادھر ہو رہے ہیں،

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خواہش نفس پر عمل کرنے والوں کے حق میں یہی فرمایا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہوتے ہیں اور آپس میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں کتاب اللہ کی مخالفت میں سب متفق ہوتے ہیں،

حضرت ابن عباسؓ سے بروایت عوفیؒ مروی ہے کہ وہ ٹولیاں ہو کر بے پرواہی کے ساتھ تیرے دائیں بائیں ہو کر تجھے مذاق سے گھورتے ہیں،

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں یعنی دائیں بائیں الگ ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں دائیں بائیں ٹولیاں ٹولیاں ہو کر حضور ﷺ کے ارد گرد پھرتے رہتے ہیں نہ کتاب اللہ کی چاہت ہے نہ رسول اللہ ﷺ کی رغبت ہے،

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس آئے اور وہ متفرق طور پر حلقے حلقے تھے تو فرمایا:

- جب کبھی بات کرے جھوٹ بولے،
- جب کبھی جھگڑے گالیاں بولے
- جب امانت اسکے پاس رکھی جائے خیانت کرے

وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ (۳۳)

اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم رہتے ہیں۔

یہ اپنی شہادتوں کی بھی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی نہ اس میں کمی کریں نہ زیادتی نہ شہادت دینے سے بھاگیں نہ اسے چھپائیں، جو چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (۳۴)

جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر فرمایا وہ اپنی نماز کی پوری چوکسی کرتے ہیں یعنی وقت پر ارکان اور واجبات اور مستحبات کو پوری طرح بجالا کر نماز پڑھتے ہیں،

یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف میں بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا اور ختم بھی اسی پر کیا پس معلوم ہوا کہ نماز امر دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرافت اور فضیلت والی چیز بھی یہی ہے اس کا ادا کرنا سخت ضروری ہے اور اس کا بندوبست نہایت ہی تاکید والا ہے۔

سورہ قد افلح المومنون میں بھی ٹھیک اسی طرح بیان ہوا ہے اور وہاں ان اوصاف کے بعد بیان فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وارث فردوس ہیں،

أُولَئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ (۳۵)

یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہونگے۔

اور یہاں فرمایا یہی لوگ جنتی ہیں اور قسم قسم کی لذتوں اور خوشبوؤں سے عزت و اقبال کے ساتھ مسرور و محفوظ ہیں۔

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ (٢٨)

بیشک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔

ان کی صفت بیان ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے اور خوف کھانے والے ہیں، جس عذاب سے کوئی عقل مند انسان بے خوف نہیں رہ سکتاہاں جسے اللہ امن دے،

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (٢٩)

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے ہیں۔

اور یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں جہاں اللہ کی اجازت نہیں اس جگہ سے بچاتے ہیں،

إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ (٣٠)

ہاں ان کی بیویاں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں

ہاں اپنی بیویوں اور اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں سو اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں،

فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ (٣١)

اب جو کوئی اس کے علاوہ (راہ) ڈھونڈے گا تو ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہونگے۔

لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا اور طرح اپنی شہوت رانی کرلے وہ یقیناً حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے،

ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر قد افلح المومنون میں گزر چکی ہے یہاں دوبارہ لانے کی ضرورت نہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (٣٢)

جو اپنی امانتوں کا اور اپنے قول و قرار کا پاس رکھتے ہیں۔

یہ لوگ امانت کے ادا کرنے والے وعدوں اور وعیدوں قول اور قرار کو پورا کرنے والے اور اچھی طرح نباہنے والے ہیں، نہ خیانت کریں نہ بدعہدی اور وعدہ شکنی کریں۔

یہ کل صفتیں مؤمنوں کی ہیں اور ان کا خلاف کرنے والا منافق ہے، جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے:

منافق کی تین خصلتیں ہیں

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر نیک عمل پر مداومت اور ہمیشگی کرنا ہے جیسے کہ نبی علیہ صلوات اللہ کا فرمان ہے:

اللہ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے جس پر مداومت کی جائے گو کم ہو،

خود حضور علیہ السلام کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جس کام کو کرتے اس پر ہمیشگی کرتے،

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیالؑ نے اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوح ایسی نماز پڑھتی تو ڈوبتی نہیں اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی کی ہوائیں نہ بھیجی جاتیں اور اگر قوم ثمود کی نماز ایسی ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا،

پس اے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو مؤمن کا یہ زیور اور اس کا بہترین خلق ہے،

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ (٢٤)

اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے

لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (٢٥)

مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کے مالوں میں حاجت مندوں کا بھی مقررہ حصہ ہے، سَائِلِ اور الْمَحْرُومِ کی پوری تفسیر سورۂ ذاریات میں گزر چکی ہے۔

وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ (٢٦)

اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ (٢٧)

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

یہ لوگ حساب اور جزا کے دن پر بھی یقین کامل اور پورا ایمان رکھتے ہیں اسی وجہ سے وہ اعمال کرتے ہیں جن سے ثواب پائیں اور عذاب سے چھوٹیں،

إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا (٢٠)

جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑبڑا اٹھتا ہے۔

وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا (٢١)

اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔

یہاں انسانی جبلت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ یہ بڑا ہی بے صبرا ہے، مصیبت کے وقت تو مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے باؤلا سا ہو جاتا ہے، گویا دل اڑ گیا اور گویا اب کوئی آس باقی نہیں رہی، اور راحت کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ڈکار جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بدترین چیز انسان میں بیحد بخیلی اور اعلیٰ درجہ کی نامردی ہے (ابوداؤد)

إِلَّا الْمُصَلِّينَ (٢٢)

مگر وہ نمازی۔

الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ (٢٣)

جو اپنی نمازوں پر ہمیشگی کرنے والے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ لوگ دور ہیں جن پر خاص فضل الٰہی ہے اور جنہیں توفیق خیر ازل سے مل چکی ہے، جن کی صفتیں یہ ہیں کہ وہ پورے نمازی ہیں وقتوں کی نگہبانی کرنے واجبات نماز کو اچھی طرح بجالانے سکون اطمینان اور خشوع خضوع سے پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے والے۔ جیسے فرمایا:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (٢٣:١،٢)

یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں

ٹھہرے ہوئے بے حرکت کے پانی کو بھی عرب ماء دائم کہتے ہیں

اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں اطمینان واجب ہے، جو شخص اپنے رکوع سجدے پوری طرح ٹھہر کر با اطمینان ادا نہیں کرتا وہ اپنی نماز پر دائم نہیں کیونکہ نہ وہ سکون کرتا ہے نہ اطمینان بلکہ کوئے کی طرح ٹھونگیں مار لیتا ہے اس کی نماز اسے نجات نہیں دلوائے گی،

بلکہ اس آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا جو اونچے اونچے اور تیز تیز شعلے پھینکنے والی اور سخت بھڑکنے والی ہے جو سر کی کھال تک جھلسا کر کھینچ لاتی ہے، بدن کی کھال دور کر دیتی ہے اور کھوپڑی پلپلی کر دیتی ہے، ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر دیتی ہے، رگ پٹھے کھنچنے لگتے ہیں، ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگتے ہیں، پنڈلیاں کٹ جاتی ہیں چہرہ بگڑ جاتا ہے، ہر ایک عضو بدل جاتا ہے، چیخ پکار کرتا رہتا ہے، ہڈیوں کا چُورا کرتی رہتی ہے، کھالیں جلائی جاتی ہے۔

تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى (١٧)

وہ ہر شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹتا اور منہ موڑتا ہے۔

یہ آگ اپنی فصیح زبان اور اونچی آواز سے اپنے والوں کو جنھوں نے دنیا میں بدکاریاں اور اللہ کی نافرمانیاں کی تھیں پکارتی ہے پھر جس طرح پرند جانور دانہ چگتا ہے اسی طرح میدان محشر میں سے ایسے بدلوگوں کو ایک ایک کرکے دیکھ بھال کر چن لیتی ہے،

وَجَمَعَ فَأَوْعَى (١٨)

اور جمع کرکے سنبھال رکھتا ہے

اب ان کی بداعمالیاں بیان ہو رہی ہیں کہ یہ دل سے جھٹلانے والے اور بدن سے عمل چھوڑ دینے والے تھے، یہ مال کو جمع کرنے والے اور سربند کرکے رکھ چھوڑنے والے تھے، اللہ تعالیٰ کے ضروری احکام میں بھی مال خرچ کرنے سے بھاگتے تھے بلکہ زکوٰۃ تک ادا نہ کرتے تھے، حدیث شریف میں ہے:

سمیٹ سمیٹ کر سینت سینت کر نہ رکھ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے روک لے گا،

حضرت عبداللہ بن حکیمؒ تو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کبھی تھیلی کا منہ ہی نہ باندھتے تھے،

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اللہ تعالیٰ کی وعید سن رہا ہے پھر مال سمیٹتا جا رہا ہے؟

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں مال کو جمع کرنے میں حلال حرام کا پاس نہ رکھتا تھا اور فرمان اللہ ہوتے ہوئے بھی خرچ کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا (١٩)

بیشک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے

یہ وہ دن ہو گا کہ اس دن ہر گنہگار دل سے چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اپنے فدیہ میں دے کر جہنم کے آج کے عذاب سے چھوٹ جائے،

وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ (١٢)

اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو۔

وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ (١٣)

اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا۔

فَصِيلَتِهِ کے معنی مال کے بھی کئے گئے ہیں،

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ (١٤)

اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تاکہ یہ اسے نجات دلا دے

اور اپنی بیوی، بھائی، اپنے رشتے کنبے، اپنے خاندان اور قبیلے کو بلکہ چاہے گا کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے لیکن اسے آزاد کر دیا جائے۔ آہ! کیا ہی دل گداز منظر ہے کہ انسان اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو، اپنی شاخوں، اپنی جڑوں سب کو آج فدا کرنے پر تیار ہے تاکہ خود بچ جائے۔

كَلَّا

مگر یہ ہرگز نہ ہو گا،

غرض تمام تر محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے بھینٹ میں دینے پر دل سے رضامند ہو گا، لیکن کوئی چیز کام نہ آئے گی کوئی بدلہ اور فدیہ نہ کھپے گا، کوئی عوض اور معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا

إِنَّهَا لَظَى (١٥)

یقیناً وہ شعلے والی (آگ) ہے

نَزَّاعَةً لِلشَّوَى (١٦)

جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک دوسرے کو دیکھے گا پہچانے لگا لیکن پھر بھاگ کھڑا ہو گا، جیسے اور جگہ ہے:

لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (۸۰:۳۷)

ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر دامن گیر ہو گی جو اس کے لئے کافی ہو گی۔

یعنی ہر ایک ایسے مشغلے میں لگا ہوا ہو گا جو دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ہی نہ دے گا۔ ایک اور جگہ فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ (۳۱:۳۳)

لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہو گا یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے

اور جگہ ارشاد ہے:

لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ (۳۵:۱۸)

کوئی کسی کا بوجھ نہ بٹائے گا، گو قرابت دار ہوں

اور جگہ فرمان ہے:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (۲۳:۱۰۱)

پس جب صور پھونک دیا جائیگا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے، نہ آپس کی پوچھ گچھ

یعنی صور پھونکتے ہی سب آپس کے رشتے ناتے اور پوچھ گچھ ختم ہو جائے گی اور جگہ فرمان ہے:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (۸۰:۳۴،۳۷)

اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایسی فکر دامن گیر ہو گی جو اس کے لئے کافی ہو گی۔

یعنی اس دن انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور فرزند سے بھاگتا پھرے گا۔ ہر شخص اپنی پریشانیوں کی وجہ سے دوسرے سے غافل ہو گا،

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ (۱۱)

گنہگار اس دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں اپنے بیٹوں کو

اسی لئے یہاں بھی فرمایا یہ تو اسے دور جان رہے ہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والا مانتے ہیں لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں، یعنی مؤمن تو اس کا آنا حق جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب آیا ہی چاہتی ہے، نہ جانے کب قیامت قائم ہو جائے اور کب عذاب آپڑیں، کیونکہ اس کے صحیح وقت کو تو سوائے اللہ کے اور کوئی جانتا ہی نہیں، پس ہر وہ چیز جس کے آنے اور ہونے میں کوئی شک نہ ہو اس کا آنا قریب ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کے ہو پڑنے کا ہر وقت کھٹکا ہی رہتا ہے۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ (٨)

جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہو جائے گا۔

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (٩)

اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائیں گے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کو یہ طلب کر رہے ہیں وہ عذاب ان طلب کرنے والے کافروں پر اس دن آئے گا جس دن آسمان مثل مہل کے ہو جائے، یعنی زیتون کی تلچھٹ جیسا ہو جائے، اور پہاڑ ایسے ہو جائیں جیسے دھنی ہوئی اون، یہی فرمان اور جگہ ہے:

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (١٠١:٥)

اور پہاڑ دھنے ہوئے رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔

وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا (١٠)

اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔

يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ

(حالانکہ) ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے۔

پھر فرماتا ہے کوئی قریبی رشتہ دار کسی اپنے قریبی رشتہ دار سے پوچھ گچھ بھی نہ کرے گا حالانکہ ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے لیکن خود ایسے مشغول ہوں گے کہ دوسرے کا حال پوچھنے کا بھی ہوش نہیں سب آپا دھاپی میں پڑے ہیں،

ان روایتوں کے پورا بیان کرنے کی اور ان کی سندوں اور الفاظ کے تمام تر نقل کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتاب الزکوٰۃ ہے، یہاں ان کے وارد کرنے سے ہماری غرض صرف ان الفاظ سے ہے کہ یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا، اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص پوچھتا ہے کہ وہ دن کیا ہے، جس کی مقدار ایک ہزار سال کی ہے؟

آپ نے فرمایا وہ کونسا پچاس ہزار سال کا دن ہو گا؟

اس نے کہا حضرت میں تو خود دریافت کرنے آیا ہوں؟

آپ نے فرمایا سنو یہ دو دن ہیں جس کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو ان کی حقیقت کا بخوبی علم ہے میں تو باوجود نہ جاننے کے کتاب اللہ میں کچھ کہنا مکروہ جانتا ہوں۔

فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِيلًا (۵)

پس تو اچھی طرح صبر کر۔

پھر فرماتا ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنی قوم کو جھٹلانے پر اور عذاب کے مانگنے کی جلدی پر جسے وہ اپنے نزدیک نہ آنے والا جانتے ہیں صبر و تحمل کرو، جیسے اور جگہ ہے:

يَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِهَا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشۡفِقُونَ مِنۡهَا وَيَعۡلَمُونَ أَنَّهَا الۡحَقُّ (۴۲:۱۸)

اس کی جلدی انہیں پڑی ہے جو اسے نہیں مانتے اور جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈر رہے ہیں انہیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے

یعنی بے ایمان تو قیامت کے جلد آنے کی تمنائیں کرتے ہیں اور ایمان دار اس کے آنے کو حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں۔

إِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهُ بَعِيدًا (۶)

بیشک یہ اس (عذاب) کو دور سمجھ رہے ہیں۔

وَنَرَاهُ قَرِيبًا (۷)

اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص گزرالوگوں نے کہاحضرت یہ اپنے قبیلے میں سب سے بڑامالدار ہے آپ نے اسے بلوایااور فرمایاکیاواقع میں تم سب سے زیادہ مالدار ہو؟

اس نے کہاہاں میرے پاس رنگ برنگ سینکڑوں اونٹ قسم قسم کے غلام اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے گھوڑے وغیرہ ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایادیکھو خبر دار ایسانہ ہو کہ یہ جانور اپنے پاؤں سے تمہیں روندیں اور اپنے سینگوں سے تمہیں ماریں بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ عامری کے چہرے کا رنگ اڑ گیااور اس نے کہاحضرت یہ کیوں؟ آپ فرمایاسنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سناہے:

جو اپنے اونٹوں کا حق ادانہ کرے ان کی سختی میں اور ان کی آسانی میں اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک چٹیل لمبے چوڑے صاف میدان میں چت لٹائے گا اور ان تمام جانوروں کو خوب موٹا تازہ کر کے حکم دے گا کہ اسے روندے ہوئے چلو چنانچہ ایک ایک کر کے اسے کچلتے ہوئے گزریں گے جب آخر والا گزر جائے گا تو اول والا لوٹ کر آجائے گا یہی عذاب اسے ہو تار ہے گا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فاصلہ ہو جائے پھر وہ اپناراستہ دیکھ لے گا،اسی طرح گائے گھوڑے بکری وغیرہ یہی سینگ دار جانور اپنے سینگوں سے بھی اسے مارتے جائیں گے کوئی ان میں بے سینگ کا یاٹوٹے ہوئے سینگ والانہ ہو گا،

عامری نے پوچھااے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایئے اونٹوں میں اللہ کا حق کیاہے؟

فرمایامسکنیوں کو سواری کے لئے تحفتًہ دینا غرباء کے ساتھ سلوک کرنا دودھ پینے کے لئے جانور دینا ان کے نروں کی ضرورت جنہیں مادہ کے لئے ہوانہیں مانگاہوابے قیمت دینا،

یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی میں بھی دوسری سند سے مذکور ہے،

مسند کی ایک حدیث میں ہے:

جو سونے چاندی کے خزانے والا اس کا حق ادانہ کرے اس کا سوناچاندی کی تختیوں کی صورت میں بنایاجائے گااور جہنم کی آگ میں تپاکر اس کی پیشانی، کروٹ اور پیٹھ داغی جائے گی یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے فیصلے کرلے اس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی سے پچاس ہزار سال کی ہو گی پھر وہ اپناراستہ جنت کی طرف یاجہنم کی طرف دیکھ لے گا،

پھر آگے بکریوں اور اونٹوں کا بیان ہے جیسے اوپر گزرا،اور یہ بھی بیان ہے کہ گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے لئے ہیں۔

- ایک تواجر دلانے والے،
- دوسری قسم کے پردہ پوشی کرنے والے،
- تیسری قسم کے بوجھ ڈھونے والے۔

یہ حدیث پوری پوری صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔

- ایک تو یہ کہ اس سے مراد وہ دوری ہے جو اسفل السافلین سے عرش معلیٰ تک ہے اور اسی طرح عرش کے نیچے سے اوپر تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور عرش معلیٰ سرخ یاقوت کا ہے، جیسے کہ امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی کتاب "صفتہ العرش" میں ذکر کیا ہے،

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے حکم کی انتہاء نیچے کی زمین سے آسمانوں کے اوپر تک کی پچاس ہزار سال کی ہے اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے یعنی آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں جو ایک ہزار سال کے برابر ہے، اس لئے کہ آسمان وزمین کا فاصلہ پانچ سو سال کا ہے

یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت مجاہدؒ کے قول سے مروی ہے حضرت ابن عباسؓ کے قول سے نہیں،

حضرت ابن عباسؓ سے ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال کے فاصلہ کی ہے اور ایک زمین سے دوسری زمین تک پانچ سو سال کی دوری ہے تو سات ہزار سال یہ ہو گئے، اسی طرح آسمان، تو چودہ ہزار سال یہ ہوئی اور ساتویں آسمان سے عرش عظیم تک چھتیس ہزار سال کا فاصلہ ہے یہی معنی ہیں اللہ کے اس فرمان کے کہ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے،

- دوسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا ہے تب سے لے کر قیامت تک کہ اس کی بقاء کی آخر تک مدت پچاس ہزار سال کی ہے، چنانچہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کل عمر پچاس ہزار سال کی ہے، اور یہی ایک دن ہے جو اس آیت میں مراد لیا گیا ہے،

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں دنیا کی پوری مدت یہی ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ کس قدر گزر گئی اور کتنی باقی ہے سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے

- تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دن وہ ہے جو دنیا اور آخرت میں فاصلے کا ہے، حضرت محمد بن کعبؒ یہی فرماتے ہیں لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے،

- چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ بہ سند صحیح مروی ہے، حضرت عکرمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں،

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ کافروں پر پچاس ہزار سال کا کر دے گا،

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا یہ دن تو بہت ہی بڑا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ مؤمن پر اس قدر ہلکا ہو جائے گا کہ دنیا کی ایک فرض نماز کی ادائیگی میں جتنا وقت لگتا ہے اس سے بھی کم ہو گا،

یہ حدیث ابن جریر میں بھی ہے اس کے دو راوی ضعیف ہیں، واللہ اعلم

مِنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ (٣)

اس اللہ کی طرف سے جو سیڑھیوں والا ہے

ذِي الْمَعَارِجِ کے معنی ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق درجوں والا، یعنی بلندیوں اور بزرگیوں والا اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مراد معارج سے آسمان کی سیڑھیاں ہیں، قتادہؒ کہتے ہیں فضل و کرم اور نعمت ورحم والا، یعنی یہ عذاب اس اللہ کی طرف سے ہے جو ان صفتوں والا ہے،

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ

جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں

اس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں،

الرُّوح کی تفسیر میں حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی مخلوق ہے انسان تو نہیں لیکن انسانوں سے بالکل مشابہ ہے،

میں کہتا ہوں ممکن ہے اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہوں اور یہ عطف ہو عام پر خاص کا، اور ممکن ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی روحیں ہوں، اس لئے کہ وہ بھی قبض ہونے کے بعد آسمان کی طرف چڑھتی ہیں، جیسے کہ حضرت براءؓ والی لمبی حدیث میں ہے کہ جب فرشتے پاک روح نکالتے ہیں تو اسے لے کر ایک آسمان سے دوسرے پر چڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں،

گو اس کے بعض راویوں میں کلام ہے لیکن یہ حدیث مشہور ہے اور اس کی شہادت میں حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث بھی ہے جیسے کہ پہلے بروایت امام احمد ترمذیؒ اور ابن ماجہ گزر چکی ہے جسکی سند کے راوی ایک جماعت کی شرط پر ہیں،

پہلی حدیث بھی مسند احمد ابوداؤد ونسائی اور ابن ماجہ میں ہے،

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (٤)

ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے

پھر فرمایا اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے، اس میں چار قول ہیں

Surah Ma'arij

سورة الْمَعَارِج

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ (۱)

ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو واضح ہونے والا ہے۔

بِعَذَابٍ میں جو ب ہے وہ بتا رہی ہے کہ یہاں فعل کی تضمین ہے گویا کہ فعل مقدر ہے یعنی یہ کافر عذاب کے واقع ہونے کی طلب میں جلدی کر رہے ہیں، جیسے اور جگہ ہے:

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ (۲۲:۴۷)

اور عذاب کو آپ سے جلدی طلب کر رہے اللہ ہر گز اپنا وعدہ نہیں ٹالے گا۔

یعنی اس کا عذاب یقیناً اپنے وقت مقررہ پر آ کر ہی رہے گا،

نسائی میں حضرت ابن عباسؓ سے وارد ہے کہ کافروں نے اللہ کا عذاب مانگا جو ان پر یقیناً آنے والا ہے، یعنی آخرت میں، ان کی اس طلب کے الفاظ بھی دوسری جگہ قرآن میں منقول ہیں کہتے ہیں:

اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۸:۳۲)

اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دے۔

ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عذاب کی وادی ہے جو قیامت کے دن عذابوں سے بہہ نکلے گی، لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مطلب سے بہت دور ہے۔ صحیح قول پہلا ہی ہے جس پر روش کلام کی دلالت ہے۔

لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ (۲)

کافروں پر، جسے کوئی ہٹانے والا نہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ عذاب کافروں کے لئے تیار ہے اور ان پر آ پڑنے والا ہے جب آ جائے گا تو کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ اسے ہٹا سکے۔

وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنكُم مُّكَذِّبِينَ (۴۹)

ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں۔

وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ (۵۰)

بیشک (یہ جھٹلانا) کافروں پر حسرت ہے

پھر فرمایا باوجود اس صفائی اور کھلے حق کے ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھوٹا بتلاتے ہیں، یہ تکذیب ان لوگوں کے لئے قیامت کے دن باعث حسرت و افسوس ہوگی، یا یہ مطلب کہ یہ قرآن اور اس پر ایمان حقیقتاً کفار پر حسرت کا باعث ہوگا، جیسے اور جگہ ہے:

كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ (۲۶:۲۰۰،۲۰۱)

اسی طرح ہم اسے گنہگاروں کے دلوں میں اتارتے ہیں پھر وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

اور جگہ ہے:

وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ (۳۴:۵۴)

ان میں اور ان کی خواہش میں حجاب ڈال دیا گیا ہے،

وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ (۵۱)

اور بیشک (وشبہ) یہ یقینی حق ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ خبر بالکل سچ حق اور بیشک وشبہ ہے،

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ (۵۲)

پس تو اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کر

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ اس قرآن کے نازل کرنے والے رب عظیم کے نام کی بزرگی اور پاکیزگی بیان کرتے رہو

****

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ (۴۴)

اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنالیتا

لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ (۴۵)

تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ (۴۶)

پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ (۴۷)

پھر تم سے کوئی بھی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا

یہاں فرمان باری ہے کہ جس طرح تم کہتے ہو اگر فی الواقع ہمارے یہ رسول ایسے ہی ہوتے کہ ہماری رسالت میں کچھ کمی بیشی کر ڈالتے یا ہماری نہ کہی ہوئی بات ہمارے نام سے بیان کر دیتے تو یقیناً اسی وقت ہم انہیں بدترین سزا دیتے یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے اس کا دائیاں ہاتھ تھام کر اس کی وہ رگ کاٹ ڈالتے جس پر دل معلق ہے اور کوئی ہمارے اس کے درمیان بھی نہ آسکتا کہ اسے بچانے کی کوشش کرے،

پس مطلب یہ ہوا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سچے پاک باز رشد و ہدایت والے ہیں اسی لئے اللہ نے زبردست تبلیغی خدمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپ رکھی ہے اور اپنی طرف سے بہت سے زبردست معجزے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کی بہترین بڑی بڑی نشانیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرما رکھی ہیں۔

وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ (۴۸)

یقیناً یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔

پھر فرمایا یہ قرآن متقیوں کے لئے تذکرہ ہے، جیسے اور جگہ ہے:

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا هُدًى وَشِفَآءٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي ءَاذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى (۴۱:۴۴)

کہہ دو یہ قرآن ایمانداروں کے لئے ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان تو اندھے بہرے ہیں ہی،

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ (۴۲)

نہ کسی کاہن کا قول ہے (افسوس) بہت کم نصیحت لے رہے ہو۔

اسی طرح یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ نہ تو یہ شاعر کا کلام ہے نہ کاہن کا قول ہے البتہ تمہارے ایمان میں اور نصیحت حاصل کرنے میں کمی ہے، پس کبھی تو اپنے کلام کی نسبت رسول انسی کی طرف کی اور کبھی رسول ملکی کی طرف، اس لئے کہ یہ اس کے پہنچانے والے لانے والے اور اس پر امین ہیں، ہاں دراصل کلام کس کا ہے؟

تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۴۳)

یہ تو رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔

اسے بھی ساتھ ہی ساتھ بیان فرما دیا کہ یہ اتارا ہوا رب العالمین کا ہے،

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں:

میں آپ ﷺ کے پاس گیا دیکھا کہ آپؐ مسجد حرم میں پہنچ گئے ہیں، میں بھی گیا اور آپؐ کے پیچھے کھڑا ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ الحاقہ شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں یہ شخص شاعر ہے ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں تلاوت کیں کہ

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ

یہ قول رسول کریم کا ہے شاعر کا نہیں تم میں ایمان ہی کم ہے

تو میں نے کہا اچھا شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہے، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں یہ آیت آئی

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ

یہ کاہن کا قول بھی نہیں تم نے نصیحت ہی کم لی ہے،

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ پوری سورت ختم کی۔ فرماتے ہیں یہ پہلا موقعہ تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور روئیں روئیں میں اسلام کی سچائی گھس گئی،

پس یہ بھی منجملہ ان اسباب کے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا باعث ہوئے ایک خاص سبب ہے، ہم نے آپ کے اسلام لانے کی پوری کیفیت سیرت عمرؓ میں لکھ دی ہے۔ وللہ الحمد والمنہ

وَمَا لَا تُبْصِرُونَ (۳۹)

اور ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے

اور ان کی بھی جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں، اس بات پر کہ قرآن کریم اس کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس نے اپنے بندے اور اپنے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے، جسے اس نے ادائے امانت اور تبلیغ رسالت کے لئے پسند فرمالیا ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (۴۰)

کہ بیشک یہ (قرآن) بزرگ رسول کا قول ہے

رَسُولٍ كَرِيمٍ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس کی اضافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس لئے کی گئی کہ اس کے مبلغ اور پہنچانے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اسی لئے لفظ رسول لائے کیونکہ رسول تو پیغام اپنے بھیجنے والے کا پہنچاتا ہے گو زبان اس کی ہوتی ہے لیکن کہا ہوا بھیجنے والے کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ تکویر میں اس کی نسبت اس رسول کی طرف کی گئی ہے جو فرشتوں میں سے ہیں فرمان ہے:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ (۸۱:۱۹،۲۱)

یقیناً ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے جو قوت والا ہے عرش والے (اللہ) کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے، امین ہے۔

اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں،

اسی لئے اس کے بعد فرمایا

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ (۸۱:۲۲،۲۵)

تمہارے ساتھی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل کو ان کی اصلی صورت میں صاف کناروں پر دیکھا بھی ہے اور وہ پوشیدہ علم پر بخیل بھی نہیں، نہ یہ شیطان رجیم کا قول ہے،

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ (۴۱)

یہ کسی شاعر کا قول نہیں (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ اللہ عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا نہ مسکین کو کھلا دینے کی کسی کو رغبت دیتا تھا، یعنی نہ تو اللہ کی عبادت و اطاعت کرتا تھا نہ اللہ کی مخلوق کے حق ادا کر کے اسے نفع پہنچاتا تھا،

اللہ کا حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے احسان و سلوک کریں اور بھلے کاموں میں آپس میں امداد پہنچاتے رہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حقوق کو عموماً ایک ساتھ بیان فرمایا ہے جیسے نماز پڑھو اور زکوۃ دو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت میں ان دونوں کو ایک ساتھ بیان فرمایا کہ نماز کی حفاظت کرو اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ (۳۵)

پس آج اس کا نہ کوئی دوست ہے۔

پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہاں پر آج کے دن اس کا کوئی خالص دوست ایسا نہیں نہ کوئی قریبی رشتہ دار یا سفارشی ایسا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے بچا سکے،

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ (۳۶)

اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی غذا ہے۔

لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ (۳۷)

جسے گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

اور نہ اس کے لئے کوئی غذا ہے سوائے بدترین سڑی بسی بیکار چیز کے جس کا نام غِسْلِين ہے، یہ جہنم کا ایک درخت ہے اور ممکن ہے کہ اسی کا دوسرا نام زقوم ہو،

اور غِسْلِين کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جہنمیوں کے بدن سے جو خون اور پانی بہتا ہے وہ، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی پیپ وغیرہ۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ (۳۸)

پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے اپنی ان نشانیوں کی قسم کھا رہا ہے جنہیں لوگ دیکھ رہے ہیں

ابن ابی الدنیا میں ہے کہ چار لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے، یہ کہے گا تمہیں مجھ سے تعلق؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ تجھ پر غضبناک ہے اور اس وجہ سے ہر چیز تجھ پر غصے میں ہے،

ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ (۳۲)

پھر اسے ایسی زنجیروں جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے جکڑ دو۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے اس فرمان کے سرزد ہوتے ہی ستر ہزار فرشتے اس کی طرف غصے سے دوڑیں گے جن میں سے ہر ایک دوسرے پر سبقت کر کے چاہے گا کہ اسے میں طوق پہناؤں، پھر اسے جہنم کی آگ میں غوطہ دینے کا حکم ہو گا، پھر ان زنجیروں میں جکڑا جائے گا جن کا ایک ایک حلقہ بقول حضرت کعب احبارؓ کے دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہو گا،

حضرت ابن عباسؓ اور ابن جریجؒ فرماتے ہیں یہ ناپ فرشتوں کے ہاتھ کا ہے،

عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے کہ یہ زنجیریں اس کے جسم میں پرو دی جائیں گی پاخانے کے راستے سے ڈال دی جائیں گی اور منہ سے نکالی جائیں گی اور اس طرح آگ میں بھونا جائے گا جیسے سیخ میں کباب اور تیل میں ٹڈی،

یہ بھی مروی ہے کہ پیچھے سے یہ زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ناک کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائیں گی۔ جس سے کہ وہ پیروں کے بل کھڑا ہی نہ ہو سکے گا۔ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے:

اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو زمین پر وہ ایک رات میں آ جائے لیکن اگر اس کو جہنمیوں کے باندھنے کی زنجیر کے سرے پر سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں،

یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن بتاتے ہیں۔

إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ (۳۳)

بیشک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا

وَلَا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ (۳۴)

اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دلاتا تھا

وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ (۲٦)

اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے

اور کاش کہ ہم اپنے حساب کی اس کیفیت سے آگاہ ہی نہ ہوتے،

يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ (۲۷)

کاش! کہ موت (میرا) کام ہی تمام کر دیتی

کاش کہ موت نے ہمارا کام ختم کر دیا ہوتا اور یہ دوسری زندگی سرے سے ہمیں ملتی ہی نہ، جس موت سے دنیا میں بہت ہی گھبراتے تھے آج اس کی آرزوئیں کریں گے،

مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ (۲۸)

میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا۔

هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ (۲۹)

میرا غلبہ بھی مجھ سے جاتا رہا۔

یہ کہیں گے کہ ہمارے مال و جاہ نے بھی آج ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور ہماری ان چیزوں نے بھی عذاب ہم سے نہ ہٹائے، تنہا ہماری ذات پر یہ وبال آپڑے نہ کوئی مددگار ہمیں نظر آتا ہے نہ بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی دیتی ہے

خُذُوهُ فَغُلُّوهُ (۳۰)

(حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو۔

ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ (۳۱)

پھر اسے دوزخ میں ڈال دو

اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے پکڑ لو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو اور اسے جہنم میں لے جاؤ اور اس میں پھینک دو، حضرت منہال بن عمروؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے اس فرمان کو سنتے ہی کہ اسے پکڑو، ستر ہزار فرشتے اس کی طرف لپکیں گے جن میں سے اگر ایک فرشتہ بھی اس طرح اشارہ کرے تو ایک چھوڑ ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے،

طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ہر جنتی کو اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا پروانہ ملے گا جس میں لکھا ہوا ہو گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھذا کتاب من اللہ لفلان ابن فلان ادخلوہ جنتہ عالیتہ قطوفھا دانیتہ

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع

یہ پروانہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں شخص کے لئے جو فلاں کا بیٹا ہے اسے بلند وبالا جھکی ہوئی شاخوں اور لدے پھندے ہوئے خوشوں والی خوشگوار جنت میں جانے دو

بعض روایتوں میں ہے یہ پروانہ پل صراط پر حوالے کر دیا جائے گا۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (۲۴)

(ان سے کہا جائے گا کہ) مزے سے کھاؤ، پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کئے

پھر فرمایا انہیں بطور احسان اور مزید لطف وکرم کے زبانی بھی کھانے پینے کی رخصت مرحمت ہو گی اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ ہے۔

اعمال کا بدلہ کہنا صرف بطور لطف کے ہے ورنہ صحیح حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عمل کرتے جاؤ سیدھے اور قریب قریب رہو اور جان رکھو کہ صرف اعمال جنت میں لے جانے کے لئے کافی نہیں۔ لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال بھی نہیں؟ فرمایا میرے بھی، ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کی رحمت شامل حال ہو۔

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ (۲۵)

لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، وہ تو کہے گا کاش کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی

یہاں گنہگاروں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب میدان قیامت میں انہیں ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یہ نہایت ہی پریشان اور پشیمان ہوں گے اور حسرت وافسوس سے کہیں گے کاش کہ ہمیں عمل نامہ ملتا ہی نہ۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ داہنے ہاتھ کے نامہ اعمال والا کہتا ہے کہ مجھے تو دنیا میں ہی یقین کامل تھا کہ یہ حساب کا دن قطعاً آنے والا ہے، جیسے اور جگہ فرمایا:

الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ (۲:۴۶)

انہیں یقین تھا کہ یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ (۲۱)

پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا۔

فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (۲۲)

بلند و بالا جنت میں۔

فرمایا ان کی جزا یہ ہے کہ یہ پسندیدہ اور دل خوش کن زندگی پائیں گے اور بلند و بالا بہشت میں رہیں گے، جس کے محلات اونچے اونچے ہوں گے جن میں حوریں قبول صورت اور نیک سیرت ہونگی جو گھر نعمتوں کے بھرپور خزانے ہوں گے اور یہ تمام نعمتیں نہ ٹلنے والی نہ ختم ہونے والی بلکہ کمی سے بھی محفوظ ہوں گی،

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اونچے نیچے مرتبے والے جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہاں بلند مرتبہ لوگ کم مرتبہ لوگوں کے پاس ملاقات کے لئے اتر آئیں گے اور خوب محبت و اخلاص سے سلام مصافحے اور آؤ بھگت ہوگی ہاں البتہ نیچے والے بسبب اپنے اعمال کی کمی کے اوپر نہ چڑھیں گے،

ایک اور صحیح حدیث میں ہے:

جنت میں ایک سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔

قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ (۲۳)

جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے

پھر فرماتا ہے اس کے پھل نیچے نیچے ہوں گے، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ فرماتے ہیں اس قدر جھکے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے چھپر کھٹ پر لیٹے ہی لیٹے ان میووں کو توڑ لیا کریں گے۔

حضرت ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ چپکے سے حجاب میں مؤمن کو اس کا نامہ اعمال دیا جاتا ہے جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوتے ہیں یہ اسے پڑھتا ہے اور ہر ایک گناہ پر اس کے ہوش اُڑ اُڑ جاتے ہیں چہرے کی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے اتنے میں اب اس کی نگاہ اپنی نیکیوں پر پڑتی ہے جب انہیں پڑھنے لگتا ہے تب ذرا چین پڑتا ہے ہوش و حواس درست ہوتے ہیں اور چہرہ کھل جاتا ہے پھر نظریں جما کر پڑھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی برائیاں بھی بھلائیوں سے بدل دی گئی ہیں ہر برائی کی جگہ بھلائی لکھی ہوئی ہے، اب تو اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور خوشی خوشی نکل کھڑا ہوتا ہے اور جو ملتا ہے اس سے کہتا ہے ذرا میرا نامہ اعمال تو پڑھنا،

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں فرشتوں نے ان کی شہادت کے بعد غسل دیا تھا ان کے لڑکے حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قیامت والے دن اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال کی پشت پر لکھی ہوئی ہوں گی جو اس پر ظاہر کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ بتا کیا تو نے یہ اعمال کئے ہیں؟ وہ اقرار کرے گا کہ ہاں بیشک اللہ یہ برائیاں مجھ سے ہوئی ہیں،

اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھ میں نے دنیا میں بھی تجھے رسوا نہیں کیا نہ فضیحت کیا اب یہاں بھی میں تجھ سے درگزر کرتا ہوں اور تیرے تمام گناہوں کو معاف کرتا ہوں،

جب یہ اس سے فارغ ہو گا تب اپنا نامہ اعمال لے کر خوشی سے ایک ایک کو دکھاتا پھرے گا،

حضرت ابن عمرؓ والی صحیح حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو اپنے پاس بلائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کی بابت پوچھے گا کہ فلاں گناہ کیا ہے؟ فلاں گناہ کیا؟ یہ اقرار کرے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ اب ہلاک ہوا

اس وقت جناب باری عزاسمہ فرمائے گا اے میرے بندے! دنیا میں میں نے تیری ان برائیوں پر پردہ ڈال رکھا تھا اب آج تجھے کیا رسوا کروں جا میں نے تجھے بخشا، پھر اس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں لیکن کافروں اور منافقوں کے بارے میں تو گواہ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کے بارے میں جھوٹ کہا لو گو سنو! ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ (٢٠)

مجھے تو کامل یقین تھا مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ (١٨)

اس دن تم سب سامنے پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا۔

پھر فرمایا قیامت کے روز تم اس اللہ کے سامنے کئے جاؤ گے جو پوشیدہ کو اور ظاہر کو بخوبی جانتا ہے جس طرح کھلی سے کھلی چیز کا وہ عالم ہے اس طرح چھپی سے چھپی چیز کو بھی وہ جانتا ہے، اسی لئے فرمایا تمہارا کوئی بھید اس روز چھپ نہ سکے گا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

لوگو! اپنی جانوں کا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا آپ اندازہ کر لو اس سے پہلے کہ ان اعمال کا وزن کیا جائے تاکہ کل قیامت والے دن تم پر آسانی ہو جس دن کو تمہارا پورا پورا حساب لیا جائے گا اور بڑی پیشی میں خود اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے تم پیش کر دیئے جاؤ گے،

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قیامت کے دن لوگ تین مرتبہ اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے پہلی اور دوسری بار تو عذر معذرت اور جھگڑا بحث کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی جو آخری ہو گی اس وقت نامہ اعمال اڑائے جائیں گے، کسی کے دائیں ہاتھ میں آئے گا اور کسی کے بائیں ہاتھ میں،

یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے حضرت عبداللہؓ کے قول سے بھی یہی روایت ابن جریر میں مروی ہے اور حضرت قتادہؒ سے بھی اس جیسی روایت مرسل مروی ہے۔

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ (١٩)

سو جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہنے لگے گا لو میرا نامہ اعمال پڑھو

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ جو خوش نصیب لوگ قیامت کے دن اپنا نامہ اعمال اپنے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ سعادت مند حضرات بیحد خوش ہوں گے اور جوش مسرت میں بے ساختہ ہر ایک سے کہتے پھریں گے کہ میرا نامہ اعمال تو پڑھو اور یہ اس لئے کہ جو گناہ بتقاضائے بشریت ان سے ہو گئے وہ بھی ان کی توبہ سے نامہ اعمال میں سے مٹا دیئے گئے ہیں اور نہ صرف مٹا دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے بجائے نیکیاں لکھ دی گئی ہیں، پس یہ سراسر نیکیوں کا نامہ اعمال ایک ایک کو پورے سرور اور سچی خوشی سے دکھاتے پھرتے ہیں،

عبدالرحمٰن بن زیدؒ فرماتے ہیں ھَا کے بعد لفظ ؤُمُ زیادہ ہے لیکن بات یہ ہے کہ ھَاؤُمُ معنی میں ھاکم کے ہے،

ابن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

آسمان میں سوراخ اور غاریں پڑ جائیں گی اور شق ہو جائے گا عرش اس کے سامنے ہو گا فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے جو کنارے اب تک ٹوٹے نہ ہوں گے اور دروازوں پر ہوں گے آسمان کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ (١٧)

اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہونگے

پھر فرمایا قیامت والے دن آٹھ فرشتے اللہ تعالیٰ کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے،

پس یا تو مراد عرش عظیم کا اٹھانا ہے یا اس عرش کا اٹھانا مراد ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے فیصلوں کے لئے ہو گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہوں گے،

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی آنکھ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا ایک سو سال کا راستہ ہے،

ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے:

مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک کی نسبت خبر دوں کہ اس کی گردن اور کان کے نیچے کے لَو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اڑنے والا پرندہ سات سو سال تک اڑتا چلا جائے،

اسکی اسناد بہت عمدہ ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں، اسے امام ابو داؤدؒ نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں اس سے مراد فرشتوں کی آٹھ صفیں ہیں،

اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہ مروی ہے،

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں جن میں سے ہر ایک حصہ کی گنتی تمام انسانوں جنوں اور فرشتوں کے برابر ہے۔

- جس میں سب سے پہلے گھبراہٹ پیدا کرنے والی چیز صور کا پھونکا جانا ہوگا جس سے سبکے دل ہل جائیں گے،
- پھر نفخہ پھونکا جائے گا جس سے تمام زمین و آسمان کی مخلوق بیہوش ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے،
- پھر صور پھونکا جائے گا جس کی آواز سے تمام مخلوق اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو جائے گی،

یہاں اسی پہلے نفخہ کا بیان ہے۔

یہاں بطور تاکید کے یہ بھی فرمایا کہ یہ اٹھ کھڑے ہونے کا نفخہ ایک ہی ہے اس لئے کہ جب اللہ کا حکم ہو گیا پھر نہ تو اس کا خلاف ہو سکتا ہے نہ وہ ٹل سکتا ہے نہ دوبارہ فرمان کی ضرورت ہے اور نہ تاکید کی،

امام ربیع فرماتے ہیں اس سے مراد آخری نفخہ ہے، لیکن ظاہر قول وہی ہے جو ہم نے کہا، اسی لئے یہاں اس کے ساتھ ہی فرمایا

وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً (١٤)

اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔

فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (١٥)

اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی۔

زمین و آسمان اٹھا لئے جائیں گے اور کھال کی طرح پھیلا دیئے جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ (١٦)

اور آسمان پھٹ جائے گا اس دن بالکل بودا ہو جائے گا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آسمان ہر کھلنے کی جگہ سے پھٹ جائے گا، جیسے سورہ نبا میں ہے:

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا (٧٨:١٩)

اور آسمان کھول دیا جائے گا پھر اس میں دروازے دروازے ہو جائیں گے

وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ

اس کے کناروں پر فرشتے ہونگے

وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ (۳۶:۴۱،۴۲)

یعنی ان کے لئے ایک نشان قدرت یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں چڑھالیا اور بھی ہم نے اس جیسی ان کی سواریاں پیدا کر دیں۔

حضرت قتادہؒ نے اوپر کی اس آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ وہی کشتی نوح باقی رہی یہاں تک کہ اس اُمت کے اگلوں نے بھی اسے دیکھا،

لیکن زیادہ ظاہر مطلب پہلا ہی ہے،

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ (۱۲)

تاکہ اسے تمہارے لئے نصیحت اور یادگار بنادیں اور (تاکہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

پھر فرمایا یہ اس لئے بھی کہ یاد رکھنے اور سننے والا کان اسے یاد کرے اور محفوظ رکھ لے اور اس نعمت کو نہ بھولے، یعنی صحیح سمجھ اور سچی سماعت والے عقل سلیم اور فہم مستقیم رکھنے والے جو اللہ کی باتوں اور اس کی نعمتوں سے بے پرواہی اور لاابالی نہیں برتتے ان کی پند و نصیحت کا ایک ذریعہ یہ بھی بن گیا،

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں جب یہ الفاظ اترے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ کو ایسا ہی بنادے، چنانچہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز سن کر پھر میں نے فراموش نہیں کی،

یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے لیکن مرسل ہے۔

ابن ابی حاتم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں تجھے نزدیک کروں دور نہ کروں اور تجھے تعلیم دوں اور تو بھی یاد رکھے اور یہی تجھے بھی چاہئے، اس پر یہ آیت اتری،

یہ روایت دوسری سند سے بھی ابن جریر میں مروی ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ (۱۳)

پس جبکہ صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی۔

قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہو رہا ہے،

إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ (١١)

جب پانی میں طغیانی آگئی تو اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھالیا

بعد ازاں اپنا احسان جتاتا ہے کہ دیکھو جب نوح علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے زمین پر طوفان آیا اور پانی حد سے گزر گیا چاروں طرف ریل پیل ہو گئی نجات کی کوئی جگہ نہ رہی اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھالیا،

حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

جب قوم نوح نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور ان کی مخالفت اور ایزاء رسانی شروع کی اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آکر ان کی ہلاکت کی دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا اور مشہور طوفان نوح نازل فرمایا جس سے سوائے ان لوگوں کے جو حضرت نوحؑ کی کشتی میں تھے روئے زمین پر کوئی نہ بچا پس سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور آپ کی اولاد میں سے ہیں،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

پانی کا ایک ایک قطرہ با اجازت اللہ پانی کے داروغہ فرشتہ کے ناپ تول سے برستا ہے اسی طرح ہوا کا ہلکا سا جھونکا بھی بے ناپے تولے نہیں چلتا لیکن ہاں عادیوں پر جو ہوائیں چلیں اور قوم نوح پر جو طوفان آیا وہ تو بیحد، بیشمار اور بغیر ناپ تول کے تھا اللہ کی اجازت سے پانی اور ہوا نے وہ زور باندھا کہ نگہبان فرشتوں کی کچھ نہ چلی اسی لئے قرآن میں طَغَى الْمَاءُ اور بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ کے الفاظ ہیں

اسی لئے اس اہم احسان کو اللہ تعالیٰ یاد دلا رہا ہے کہ ایسے پُر خطر موقعہ پر ہم نے تمہیں چلتی کشتی پر سوار کرا دیا تا کہ یہ کشتی تمہارے لئے نمونہ بن جائے چنانچہ آج بھی ویسی ہی کشتیوں پر سوار ہو کر سمندر کے لمبے چوڑے سفر طے کر رہے ہو،

جیسے اور جگہ ہے:

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ لِتَسْتَوُوا عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ (۴۳:۱۲،۱۳)

اور تمہارے لئے کشتیاں بنائیں اور چوپائے جانور جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تا کہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو

اور جگہ فرمایا:

قَبْلَهُ کی دوسری قرأت قِبَلَهُ بھی ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ فرعون اور اس کے پاس اور ساتھ کے لوگ یعنی فرعونی، قبطی، کفار،

مُؤْتَفِكَاتُ سے مراد بھی پیغمبروں کی جھٹلانے والی اگلی اُمتیں ہیں، خَاطِئَةِ سے مطلب معصیت اور خطائیں ہیں،

فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَابِيَةً (١٠)

اور اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی بالآخر اللہ نے (بھی) زبردست گرفت میں لیا۔

پس فرمایا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے زمانے کے رسول کی تکذیب کی،

جیسے اور جگہ ہے:

إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ (٣٨:١٤)

ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی اور ان پر عذاب نازل ہوئے

اور یہ بھی یاد رہے کہ ایک پیغمبر کا انکار گویا تمام انبیاء کا انکار ہے جیسے قرآن نے فرمایا:

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ (٢٦:١٠٥)

قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا

اور فرمایا

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ (٢٦:١٢٣)

قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا

اور فرمایا

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ (٢٦:١٤١)

قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا

یعنی قوم نوح نے عادیوں نے ثمودیوں نے رسولوں کو جھٹلایا، حالانکہ سب کے پاس یعنی ہر ہر اُمت کے پاس ایک ہی رسول آیا تھا،

یہی مطلب یہاں بھی ہے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامبر کی نافرمانی کی، پس اللہ نے انہیں سخت تر مہلک بڑی دردناک المناک پکڑ میں پکڑ لیا۔

اور یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ قوم عاد کی ایک بڑھیا ایک غار میں گھس گئی تھی جو ان ہواؤں سے آٹھویں روز وہیں تباہ ہو گئی اور بڑھیا کو عربی میں عجوز کہتے ہیں، واللہ اعلم،

خَاوِيَةٍ کے معنی ہیں خراب، گلا، سڑا، کھوکھلا،

مطلب یہ ہے کہ ہواؤں نے انہیں اٹھا اٹھا کر الٹا، ان کے سر پھٹ گئے سروں کا چورا چورا ہو گیا اور باقی جسم ایسا رہ گیا جیسے کھجور کے درختوں کا پتوں والا سرا کاٹ کر صرف تنا رہنے دیا ہو،

بخاری مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صبا کے ساتھ میری مدد کی گئی یعنی مشرقی ہوا کے ساتھ اور عادی ہلاک کئے گئے دبور سے یعنی مغربی ہوا سے،

ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عادیوں کو ہلاک کرنے کے لئے ہواؤں کے خزانے میں سے صرف انگوٹھی کے برابر جگہ کشادہ کی گئی تھی جس سے ہوائیں نکلیں اور پہلے وہ گاؤں اور دیہات والوں پر آئی ان تمام مردوں عورتوں کو چھوٹے بڑوں کو ان کے مالوں اور جانوروں سمیت لے کر آسمان و زمین کے درمیان معلق کر دیا، شہریوں کو بوجہ بہت بلندی اور کافی اونچائی کے یہ معلوم ہونے لگا کہ یہ سیاہ رنگ بادل چڑھا ہوا ہے خوش ہونے لگے کہ گرمی کے باعث جو ہماری بری حالت ہو رہی ہے اب پانی برس جائے گا اتنے میں ہواؤں کو حکم ہوا اور اس نے ان تمام کو ان شہریوں پر پھینک دیا یہ اور وہ سب ہلاک ہو گئے،

فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ (٨)

کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آ رہا ہے۔

پھر فرماتا ہے بتاؤ کہ ان میں سے یا ان کی نسل میں سے کسی ایک کا نشان بھی تم دیکھ رہے ہو؟

یعنی سب کے سب تباہ و برباد کر دیئے گئے کوئی نام لینے والا پانی دینے والا بھی باقی نہ رہا۔

وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ (٩)

فرعون اور اس کے پہلے کے لوگ اور جن کی بستیاں اُلٹ دی گئیں انہوں نے بھی خطائیں کیں۔

پھر فرمایا فرعون اور اس سے اگلے خطاکار، اور رسول کے نافرمان کا یہی انجام ہوا،

اور مجاہدؒ فرماتے ہیں اس سے مراد گناہ ہیں یعنی وہ اپنے گناہوں کے باعث برباد کر دیئے گئے،

ربیع بن انسؒ اور ابن زیدؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کی سرکشی ہے۔ ابن زیدؒ نے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھی:

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوَّاهَا (۹۱:۱۱،۱۴)

ثمود نے اپنی سرکشی کی باعث جھٹلایا۔ جب ان میں ایک بدبخت کھڑا ہوا تو خدا کے پیغمبر نے ان سے کہا کہ خدا کی اونٹنی اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو مگر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا

یعنی ثمودیوں نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا، یعنی اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں،

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ (٦)

اور عاد بیحد تیز و تند ہوا سے غارت کر دیئے گئے

اور قوم عاد کے ٹھنڈی ہواؤں کے تیز جھونکوں سے دل چھید دیئے اور وہ نیست و نابود کر دیئے گئے،

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (٧)

جسے ان پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلط رکھا پس تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔

یہ آندھیاں جو خیر و برکت سے خالی ہیں اور فرشتوں کے ہاتھوں سے نکلتی تھیں برابر پے در پے لگاتار سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہیں، ان دنوں میں ان کے لئے سوائے نحوست و بربادی کے اور کوئی بھلائی نہ تھی،

حضرت ربیعؒ فرماتے ہیں جمعہ کے دن سے یہ شروع ہوئی تھیں بعض کہتے ہیں بدھ کے دن،

ان ہواؤں کو عرب أَعْجَازُ اس لئے بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے فرمایا ہے قوم عاد کی حالت أَعْجَازُ یعنی کھجوروں کے کھوکھلے تنوں جیسی ہو گئی، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عموماً یہ ہوائیں جاڑوں کے آخر میں چلا کرتی ہیں اور عجز کہتے ہیں آخر کو،

Surah Haqqah

سورۃ الحَاقَّة

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

ٱلۡحَآقَّةُ (١)

ثابت ہونے والی

مَا ٱلۡحَآقَّةُ (٢)

ثابت ہونے والی کیا ہے؟

وَمَآ أَدۡرَٮٰكَ مَا ٱلۡحَآقَّةُ (٣)

تجھے کیا معلوم کہ وہ ثابت شدہ کیا ہے؟

ٱلۡحَآقَّةُ قیامت کا ایک نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ وعدے وعید کی عملی تعبیر اور حقیقت کا دن وہی ہے، اسی لئے اس دن کی ہولناکی بیان کرتے ہوئے فرمایا تم اس ٱلۡحَآقَّةُ کی صحیح کیفیت سے بے خبر ہو،

كَذَّبَتۡ ثَمُودُ وَعَادُۢ بِٱلۡقَارِعَةِ (٤)

اس کھڑکا دینے والی کو ثمود اور عاد نے جھٹلا دیا تھا

پھر ان لوگوں کا ذکر فرمایا جن لوگوں نے اسے جھٹلایا اور خمیازہ اٹھایا تھا،

فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهۡلِكُواْ بِٱلطَّاغِيَةِ (٥)

(جس کے نتیجے میں) ثمود تو بیحد خوفناک (اور اونچی) آواز سے ہلاک کر دیئے گئے

تو فرمایا ثمودیوں کو دیکھو ایک طرف سے فرشتے کے دہاڑنے اور کلیجوں کو پاش پاش کر دینے والی آواز آتی ہے تو دوسری جانب سے زمین میں غضبناک بھونچال آتا ہے اور سب تہہ وبالا ہو جاتے ہیں،

پس بقول حضرت قتادہؒ طَاغِيَةِ کے معنی چنگھاڑ کے ہیں،

فرمان رسالت ہے:

ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور نہ الو کی وجہ سے بربادی کا یقین کر لینا کوئی واقعیت رکھتا ہے اور نہ حسد کوئی چیز ہے، ہاں نظر سچ ہے،

ابن عساکر میں ہے کہ جبرائیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ اس وقت غمزدہ تھے جب پوچھا تو فرمایا حسنؓ اور حسینؓ کو نظر لگ گئی ہے، فرمایا یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے، آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا یوں کہو

اللھم ذا السلطان العظیم ذا المن القدیم ذا الوجہ الکریم ولی الکلمات التامات والدعوت المستجابات عاف الحسن والحسین من انفس الجن واعین الانس

اے اللہ اے بہت بڑی بادشاہی والے اے زبردست قدیم احسانوں والے، اے بزرگ تر چہرے والے اے پورے کلموں والے اور اے دعاؤں کو قبولیت کا درجہ دینے والے تو حسن اور حسین کو تمام جنات کی ہواؤں سے اور تمام انسان کی آنکھوں سے اپنی پناہ دے،

حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لوگو اپنی جانوں کو اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو، اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔

لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ (٥١)

جب کبھی قرآن سنتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ تو ضرور دیوانہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاں یہ کافر اپنی حقارت بھری نظریں آپ پر ڈالتے ہیں وہاں اپنی طعنہ آمیز زبان بھی آپ پر کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو قرآن لانے میں مجنون ہیں،

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ (٥٢)

درحقیقت یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت ہے

اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے قرآن تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام عالم کے لئے نصیحت نامہ ہے۔

****

مسند کی اور روایت میں ہے:

حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے گھر، گھوڑا اور عورت، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا پھر تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کہوں گا جو آپ نے نہیں فرمایا، ہاں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تو سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

سب سے سچا شگون نیک فالی ہے اور نظر کا لگنا حق ہے،

ترمذی وغیرہ میں ہے:

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچوں کو نظر لگ جایا کرتی ہے تو کیا میں کچھ دم کرا لیا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا:

ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر جانے والی ہوتی تو وہ نظر تھی،

حضرت عائشہؓ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نظر بد سے دم کرنے کا حکم مروی ہے۔(ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم کیا جاتا تھا کہ وہ وضو کرے اور جس کو نظر لگی ہے اسے اس پانی سے غسل کرایا جاتا تھا (احمد)

مسند احمد میں بھی حضرت سہل اور حضرت عامر والا قصہ جو اوپر بیان ہوا قدرے تفصیل کے ساتھ مروی ہے،

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں بزرگ غسل کے ارادے سے چلے اور حضرت عامر پانی میں غسل کے لئے اترے اور ان کا بدن دیکھ کر حضرت سہل کی نظر لگ گئی اور وہ وہیں پانی میں خرخراہٹ کرنے لگے میں نے تین مرتبہ آوازیں دیں لیکن جواب نہ ملا میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ سنایا، آپ ﷺ خود تشریف لائے اور تھوڑے سے پانی میں کچھ کچھ کرتے ہوئے تہد اونچا اٹھائے ہوئے وہاں تک پہنچے اور ان کے سینے میں ہاتھ مارا اور دعا کی:

اللھم اصرف عنہ حشرھا و بردھا و وصبھا

اے اللہ تو اس سے اس کی گرمی اور سردی اور تکلیف دور کر دے

مسند بزار میں ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں میری امت کی قضاء وقدر کے بعد اکثر موت نظر سے ہو گی،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نظر حق ہے انسان کو قبر تک پہنچا دیتی ہے اور اونٹ کو ہنڈیا تک میری اُمت کی اکثر ہلاکی اسی میں ہے،

سہل بن حنیف غسل کر رہے تھے عامر بن ربیعہ کہنے لگے میں نے تو آج تک ایسا بدن کسی پردہ نشین کا بھی نہیں دیکھا، بس ذرا سی دیر میں وہ بیہوش ہو کر گر پڑے، لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خبر لیجئے یہ تو بیہوش ہوگئے، آپ نے فرمایا کسی پر تمہارا شک بھی ہے، لوگوں نے کا کہاں عامر بن ربیعہ پر، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

تم میں سے کیوں کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے کہ اسے بہت اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے،

پھر پانی منگوا کر عامر سے فرمایا:

تم وضو کرو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ اور گھٹنے اور تہمد کے اندر کا حصہ جسم دھوڈالو۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ برتن کو اس کی پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا دو،

نسائی میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب سورہ معوذتیں نازل ہوئیں تو آپ نے انہیں لے لیا اور سب کو چھوڑ دیا۔ (ابن ماجہ، ترمذی، نسائی)

مسند میں ہے:

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہاں تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا

بسم الله ارقيك من كل شئي يوذيك من شر كل نفس وعين والله يشفيك بسم الله ارقيك

بعض روایات میں کچھ الفاظ کا ہیر پھیر بھی ہے،

بخاری مسلم کی حدیث میں ہے:

یقیناً نظر کا لگ جانا بر حق ہے،

مسند کی ایک حدیث میں اس کے بعد یوں بھی ہے:

اس کا سبب شیطان ہے اور ابن آدم کا حسد ہے،

ابو داؤد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دم جھاڑا صرف نظر کا اور زہریلے جانوروں کا اور نہ تھمنے والے خون کا ہے،

بعض سندوں میں نظر کا لفظ نہیں، یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے اور صحیح مسلم شریف میں بھی ایک قصہ کے ساتھ موقوفاً مروی ہے، بخاری شریف اور ترمذی میں بھی ہے،

ایک غریب حدیث ابویعلیٰ میں ہے کہ نظر میں کچھ بھی حق نہیں سب سے سچا شگون فال ہے،

یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے غریب کہتے ہیں۔

اور روایت میں ہے:

کوئی ڈر، خوف، الو اور نظر میں نہیں اور نیک فالی سب سے زیادہ سچا فال ہے۔

اور روایات میں ہے:

نظر حق ہے، نظر حق ہے، وہ بلندی والے کو بھی اتار دیتی ہے (مسند احمد)

صحیح مسلم میں ہے:

نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر کر جاتی جب تم سے غسل کرایا جائے تو غسل کر لیا کرو،

عبدالرزاق میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان الفاظ کے ساتھ پناہ میں دیتے:

اعیذ کما بکلمات اللہ التامتہ من کل شیطان وھامتہ ومن کل عین لامتہ

تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھرپور کلمات کی پناہ میں سونپتا ہوں ہر شیطان سے اور ہر ایک زہریلے جانور سے اور ہر ایک لگ جانے والی نظر سے

اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت اسحٰق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو انہی الفاظ سے اللہ کی پناہ دیا کرتے تھے،

یہ حدیث سنن میں اور بخاری شریف میں بھی ہے،

ابن ماجہ میں ہے:

یہاں بھی فرمان ہے کہ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ جب اس نے غم اور دکھ کی حالت میں ہمیں پکارا،

لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ (۴۹)

اگر اسے اس کے رب کی نعمت نہ پا لیتی تو یقیناً وہ برے حالوں میں چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یونس علیہ السلام کی زبان سے نکلتے ہی یہ کلمہ عرش پر پہنچا، فرشتوں نے کہا یارب اس کمزور غیر معروف شخص کی آواز تو ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پہلے کی سنی ہوئی ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اسے پہچانا نہیں؟ فرشتوں نے عرض کیا نہیں،

جناب باری نے فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے،

فرشتوں نے کہا پروردگار پھر تو تیرا یہ بندہ وہ ہے جس کے اعمال صالحہ روز آسمانوں پر چڑھتے رہے جس کی دعائیں ہر وقت قبولیت کا درجہ پاتی رہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سچ ہے،

فرشتوں نے کہا اے ارحم الراحمین ان کی آسانیوں کے وقت کے نیک اعمال کی بنا پر انہیں اس سختی سے نجات عطا فرما، چنانچہ فرمان باری ہوا کہ اے مچھلی تو انہیں اگل دے اور مچھلی نے انہیں کنارے پر آکر اگل دیا،

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ (۵۰)

اس کے رب نے پھر نوازا اور اسے نیک کاروں میں کر دیا

یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ اللہ نے اسے پھر برگزیدہ بنالیا اور نیک کاروں میں کر دیا،

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یونس بن متیٰؑ سے افضل بتائے۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے،

وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ

اور قریب ہے کہ کافر اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا دیں

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بغض وحسد کی وجہ سے یہ کفار تو اپنی آنکھوں سے گھور گھور کر تجھے پھسلا دینا چاہتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے حمایت اور بچاؤ نہ ہوتا تو یقیناً یہ ایسا کر گزرتے،

اس آیت میں دلیل ہے اس امر پر کہ نظر کا لگنا اور اس کی تاثیر کا اللہ کے حکم سے ہونا حق ہے جیسا کہ بہت سی احادیث میں بھی ہے جو کئی کئی سندوں سے مروی ہے،

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں اللہ عزوجل کی طرف بغیر اجرت اور بغیر مال طلبی کے اور بغیر بدلے کی چاہت کے بلا رہے ہیں آپ کی غرض سوائے ثواب حاصل کرنے کے اور کوئی نہیں اس پر بھی یہ لوگ صرف اپنی جہالت اور کفر اور سرکشی کی وجہ سے آپکو جھٹلا رہے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

بس تو اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ اپنی قوم کی ایذاء پر اور ان کے جھٹلانے پر صبر وضبط کرو عنقریب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہونے والا ہے، انجام کار آپ کا اور آپ کے ماتحتوں کا ہی غلبہ ہو گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی،

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ (۴۸)

اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب کہ اس نے غم کی حالت میں دعا کی

دیکھو تم مچھلی والے نبی کی طرح نہ ہونا

اس سے مراد حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جبکہ وہ اپنی قوم پر غضبناک ہو کر نکل کھڑے ہوئے پھر جو ہوا سو ہوا، یعنی آپ کا جہاز میں سوار ہونا، مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور سمندر کی تہہ میں بیٹھ جانا اور ان تہہ بہ تہہ اندھیروں میں اس قدر نیچے آپ کا سمندر کو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے سننا اور خود آپ کا بھی پکارنا

أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بیشک میں ظالموں میں ہو گیا

اور پھر آپ کی دعا کا قبول ہونا اس غم سے نجات پانا وغیرہ جس واقعہ کا مفصل بیان پہلے گزر چکا ہے۔ جس کے بیان کے بعد اللہ سبحان وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ (۲۱:۸۸)

ہم اسی طرح ایمانداروں کو نجات دیا کرتے ہیں

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (۳۷:۱۴۳،۱۴۴)

پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے

اور جگہ فرمایا:

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ (٦:٤٤)

جب یہ ہمارے وعظ و پند کو بھلا چکے تو ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ انہیں جو دیا گیا تھا اس پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں ناگہانی پکڑ لیا اور ان کی امیدیں منقطع ہو گئیں۔

وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (٤٥)

اور میں انہیں ڈھیل دونگا، بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے میں انہیں ڈھیل دوں گا، بڑھاؤں گا اور اونچا کروں گا، یہ میرا داؤ ہے اور میری تدبیر میرے مخالفوں اور میرے نافرمانوں کے ساتھ بہت بڑی ہے۔

بخاری مسلم میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ (١١:١٠٢)

تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ (٤٦)

کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے جس کے تاوان سے یہ دبے جاتے ہوں

پھر فرمایا تو کچھ ان سے اجرت اور بدلہ تو مانگتا ہی نہیں جو ان پر بھاری پڑتا ہو جس تاوان سے یہ جھکے جاتے ہوں،

أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ (٤٧)

یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے وہ لکھتے ہوں۔

نہ ان کے پاس کوئی علم غیب ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں۔

ان دونوں جملوں کی تفسیر سورہ والطور میں گزر چکی ہے، خلاصہ مطلب یہ ہے:

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ

نگاہیں نیچی ہوں گی ان پر ذلت وخواری چھا رہی ہوگی

پھر فرمایا جس دن ان لوگوں کی آنکھیں اوپر کو نہ اٹھیں گی اور ذلیل و پست ہو جائیں گے کیونکہ دنیا میں بڑے سرکش اور کبر و غرور والے تھے،

وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ (٤٣)

حالانکہ یہ سجدے کے لئے (اس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جبکہ صحیح سلامت تھے

صحت اور سلامتی کی حالت میں دنیا میں جب انہیں سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا تو رک جاتے تھے جس کی سزا یہ ملی کہ آج سجدہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے پہلے کر سکتے تھے لیکن نہیں کرتے تھے،

اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر مؤمن سب سجدے میں گر پڑیں گے لیکن کافر و منافق سجدہ نہ کر سکیں گے کمر تختہ ہو جائے گی جھکے گی ہی نہیں بلکہ پیٹھ کے بل چت گر پڑیں گے، یہاں بھی ان کی حالت مؤمنوں کے خلاف تھی وہاں بھی خلاف ہی رہے گی۔

فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (٤٤)

پس مجھے اور اس کلام کو جھٹلانے والے کو چھوڑ دے ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہوگا

پھر فرمایا مجھے اور میری اس حدیث یعنی قرآن کو جھٹلانے والوں کو تو چھوڑ دے،

اس میں بڑی وعید ہے اور سخت ڈانٹ ہے کہ تو ٹھہر جا میں آپ ان سے نپٹ لوں گا دیکھ تو سہی کہ کس طرح بتدریج انہیں پکڑتا ہوں یہ اپنی سرکشی اور غرور میں پڑتے جائیں گے میری ڈھیل کے راز کو نہ سمجھیں گے اور پھر ایک دم یہ پاپ کا گھڑا پھوٹے گا اور میں اچانک انہیں پکڑ لوں گا۔ میں انہیں بڑھاتا رہوں گا یہ بدمست ہوتے چلے جائیں گے وہ اسے کرامت سمجھیں گے حالانکہ وہ اہانت ہوگی،

جیسے اور جگہ ہے:

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ (٢٣:٥٥،٥٦)

یعنی کیا ان کا گمان ہے کہ مال و اولاد کا بڑھنا ان کے لئے ہماری جانب سے کسی بھلائی کی بنا پر ہے، نہیں بلکہ یہ بے شعور ہیں

ان سے ذرا پوچھو تو کہ اس بات کا کون ضامن ہے اور کس کے ذمے یہ کفالت ہے؟ نہ سہی تمہارے جو جھوٹے معبود ہیں انہی کو اپنی سچائی کے ثبوت میں پیش کرو۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ (۴۲)

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو (سجدہ) نہ کر سکیں گے

اوپر چونکہ بیان ہوا تھا کہ پرہیز گار لوگوں کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں اس لئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ یہ جنتیں انہیں کب ملیں گی؟ تو فرمایا کہ اس دن جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی۔ یعنی قیامت کے دن جو دن بڑی ہولناکیوں والا زلزلوں والا، امتحان والا اور آزمائش والا اور بڑے بڑے اہم امور کے ظاہر ہونے کا دن ہو گا

صحیح بخاری شریف میں اس جگہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے:

ہمارا رب اپنی پنڈلی کھول دے گا پس ہر مؤمن مرد اور ہر مؤمنہ عورت سجدے میں گر پڑے گی ہاں دنیا میں جو لوگ دکھاوے سناوے کے لئے سجدہ کرتے تھے وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی کمر تختہ کی طرف ہو جائے گی، یعنی ان سے سجدے کے لئے جھکا نہ جائے گا،

یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے اور دوسری کتابوں میں بھی ہے کئی کئی سندوں سے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث مطول ہے اور مشہور ہے،

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ دن تکلیف دکھ درد اور شدت کا دن ہے۔ (ابن جریر)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کی یہ گھڑی بہت سخت ہو گی، یہ امر بہت سخت بڑی گھبراہٹ والا اور ہولناک ہے، جس وقت امر کھول دیا جائے گا اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور یہ کھلنا آخرت کا آجانا ہے اور اس سے کام کا کھل جانا ہے،

یہ سب روایتیں ابن جریر میں ہیں،

اس کے بعد یہ حدیث ہے کہ اس کی تفسیر میں نبی ﷺ نے فرمایا اس سے مراد بہت بڑا نور ہے، لوگ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے،

یہ حدیث ابو یعلیٰ میں بھی ہے اور اس کی اسناد میں ایک مبہم راوی ہے، واللہ اعلم

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ (٣٥)

کیاہم مسلمانوں کو مثل گناہ گاروں کے کر دیں گے

پھر فرماتا ہے کیاہو سکتا ہے کہ مسلمان اور گنہگار جزامیں یکساں ہو جائیں؟ قسم ہے زمین و آسمان کے رب کی کہ یہ نہیں ہو سکتا،

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (٣٦)

تمہیں کیاہو گیا، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟

أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ (٣٧)

کیاتمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟

إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ (٣٨)

کہ اس میں تمہاری من مانی باتیں ہوں۔

کیاتمہارے ہاتھوں میں اللہ کی طرف سے اتری ہوئی کوئی ایسی کتاب ہے جو خود تمہیں بھی محفوظ ہو اور گزشتہ لوگوں کے ہاتھوں تم پچھلوں تک پہنچتی ہو اور اس میں وہی ہو جو تمہاری چاہت ہے،

أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ (٣٩)

یاتم نے ہم سے قسمیں لی ہیں جو قیامت تک باقی رہیں کہ تمہارے لئے وہ سب ہے جو تم اپنی طرف سے مقرر کر لو

اور تم کہہ رہے ہو کہ ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد تم سے ہے کہ تم جو کہہ رہے ہو وہی ہو گا اور تمہاری بے جا اور غلط خواہشیں پوری ہو کر ہی رہیں گی؟

سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ (٤٠)

ان سے پوچھو تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمہ دار (اور دعویدار) ہے

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ (٤١)

کیاان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیئے کہ اپنے اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر یہ سچے ہیں۔

پھر کہتے ہیں شاید ہمارارب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے یعنی دنیامیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آخرت کے خیال سے انہوں نے یہ کہا ہو۔ واللہ اعلم

بعض سلف کا قول ہے کہ یہ واقعہ اہل یمن کا ہے، حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں یہ لوگ فروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے،

اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہل حبشہ تھے، مذہباً اہل کتاب تھے یہ باغ انہیں ان کے باپ کے ورثے میں ملا تھا اس کا یہ دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کا خرچ رکھ کر باقی نفع اللہ کے نام صدقہ کر دیتا تھا، اس کے انتقال کے بعد ان بچوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ہر سال ادھر ادھر دے دیتا تھا ہم ان فقیروں کو اگر نہ دیں اور اپنا مال باقاعدہ سنبھالیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں، یہ ارادہ انہوں نے پختہ کر لیا تو ان پر وہ عذاب آیا جس نے اصل مال بھی تباہ کر دیا اور بالکل خالی ہاتھ رہ گئے،

كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ

یوں ہی آفت آتی ہے

پھر فرماتا ہے جو شخص بھی اللہ کے حکموں کے خلاف کرے اور اللہ کی نعمتوں میں بخل کرے اور مسکینوں محتاجوں کا حق ادا نہ کرے اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرے اس پر اسی طرح کے عذاب نازل ہوتے ہیں۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (٣٣)

اور آخرت کی آفت بہت ہی بڑی ہے کاش انہیں سمجھ ہوتی

اور یہ تو دنیوی عذاب ہیں آخرت کے عذاب تو ابھی باقی ہیں جو سخت تر اور بدتر ہیں، بیہقی کی حدیث میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت کھیتی کاٹنے اور باغ کے پھل اتارنے سے منع فرما دیا ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ (٣٤)

پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں۔

اوپر چونکہ دنیوی جنت والوں کا حال بیان ہوا تھا اور اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم کے کرنے سے ان پر جو بلا اور آفت آئی اس کا ذکر ہوا تھا اس لئے اب ان متقی پرہیزگار لوگوں کا حال ذکر کیا گیا جنہیں آخرت میں جنتیں ملیں گی جن کی نعمتیں نہ فنا ہوں، نہ گھٹیں، نہ ختم ہوں، نہ سڑیں، نہ گلیں،

قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ (۲۸)

ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ تم اللہ کی پاکیزگی کیوں نہیں بیان کرتے

ان سب میں جو عدل و انصاف والا اور بھلائی اور بہتری والا تھا وہ بول پڑا کہ دیکھو میں تو پہلے ہی تم سے کہتا تھا کہ تم انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے،

سدیؒ فرماتے ہیں ان کے زمانہ میں سبحان اللہ کہنا بھی انشاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا،

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس کے معنی ہی انشاء اللہ کہنے کے ہیں

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے بہتر شخص نے ان سے کہا کہ دیکھو میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم کیوں اللہ کی پاکیزگی اور اس کی حمد و ثناء نہیں کرتے؟

قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ (۲۹)

تو سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم ہی ظالم تھے۔

یہ سن کر اب وہ کہنے لگ ہمارا رب پاک ہے بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا،

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ (۳۰)

پھر ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے۔

اب اطاعت بجالائے جبکہ عذاب پہنچ چکا اب اپنی تقصیر کو مانا جب سزا دے دی گئی، اب تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے بہت ہی برا کیا کہ مسکینوں کا حق مارنا چاہا اور اللہ کی فرمانبرداری سے رک گئے،

قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ (۳۱)

کہنے لگے ہائے افسوس! یقیناً ہم سرکش تھے۔

پھر سب نے کہا کہ کوئی شک نہیں ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی اسی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا،

عَسَى رَبُّنَا أَنْ يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ (۳۲)

کیا عجب ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے ہم تو اب اپنے رب سے ہی آرزو رکھتے ہیں

أَن لَّا يَدۡخُلَنَّهَا ٱلۡيَوۡمَ عَلَيۡكُم مِّسۡكِينٌ (٢٤)

کہ آج کے دن کوئی مسکین تمہارے پاس نہ آنے پائے

چونکہ ان کی سر گوشیاں اس اللہ سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں جو دلی ارادوں سے بھی پوری طرح واقف رہتا ہے وہ بیان فرماتا ہے کہ ان کی وہ خفیہ باتیں یہ تھیں کہ دیکھو ہوشیار رہو کوئی مسکین بھنک پا کر کہیں آج آنہ جائے ہرگز کسی فقیر کو باغ میں گھسنے ہی نہ دینا،

وَغَدَوۡاْ عَلَىٰ حَرۡدٍ قَٰدِرِينَ (٢٥)

اور لپکے ہوئے صبح صبح گئے (سمجھ رہے تھے) کہ ہم قابو پا گئے

اب قوت وشدت کے ساتھ پختہ ارادے اور غریبوں پر غصے کے ساتھ اپنے باغ کو چلے، یہ جانتے تھے کہا اب ہم پھلوں پر قابض ہیں، ابھی اتار کر سب لے آئیں گے، لیکن جب وہاں پہنچے تو ہکا بکا رہ گئے۔ کہ لہلہاتا ہوا ہرا بھرا باغ میووں سے لدے ہوئے درخت اور پکے ہوئے پھل سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں، سارے باغ میں آندھی پھر گئی ہے اور کل باغ میووں سمیت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے، کوئی پھل نصف دام کا بھی نہیں رہا، ساری تروتازگی پژمردگی سے بدل گئی ہے، باغ سارا کا سارا جل کر راکھ ہو گیا ہے درختوں کے کالے کالے ڈراؤنے ٹنڈ کھڑے ہوئے ہیں،

فَلَمَّا رَأَوۡهَا قَالُوٓاْ إِنَّا لَضَآلُّونَ (٢٦)

جب انہوں نے باغ دیکھا تو کہنے لگے یقیناً ہم راستہ بھول گئے ہیں۔

بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُومُونَ (٢٧)

نہیں نہیں ہماری قسمت پھوٹ گئی

پہلے تو سمجھے کہ ہم راہ بھول گئے کسی اور باغ میں چلے آئے،

اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا طریقہ کار غلط تھا جس کا یہ نتیجہ ہے۔ پھر بغور دیکھنے سے جب یقین ہو گیا کہ باغ تو یہ ہمارا ہی ہے تب سمجھ گئے اور کہنے لگے ہے تو یہی لیکن ہم بدقسمت ہیں، ہمارے نصیب میں ہی اس کا پھل اور فائدہ نہیں،

فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِنْ رَبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ (١٩)

پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چاروں طرف گھوم گئی اور یہ سو رہے تھے

فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ (٢٠)

پس وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی

رات ہی رات میں ان کے پہنچنے سے پہلے آسمانی آفت نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا ایسا ہو گیا جیسے سیاہ رات اور کٹی ہوئی کھیتی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لوگو گناہوں سے بچو گناہوں کی شامت کی وجہ سے انسان اس روزی سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کر دی گئی ہے،

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آیتوں کی تلاوت کی کہ یہ لوگ بسبب اپنے گناہ کے اپنے باغ کے پھل اور اس کی پیداوار سے بے نصیب ہو گئے۔ (ابن ابی حاتم)

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ (٢١)

اب صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں۔

أَنِ اغْدُوا عَلَى حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَارِمِينَ (٢٢)

اگر تمہیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی سویرے چل پڑو۔

صبح کے وقت یہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ لگاؤ سویرے ہی چل پڑو،

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ باغ انگور کا تھا،

فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ (٢٣)

پھر جب یہ چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے

اب یہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے تا کہ کوئی سن نہ لے اور غریب غرباء کو پتہ نہ لگ جائے،

ابن ابی حاتم میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

بندہ ہزارہا برس تک اللہ کے ہاں مؤمن لکھا رہتا ہے لیکن مرتا اس حالت میں ہے کہ اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے اور بندہ اللہ کے ہاں کافر ہزارہا سال تک لکھا رہتا ہے پھر مرتے وقت اللہ اس سے خوش ہو جاتا ہے۔

جو شخص عیب گوئی اور چغل خوری کی حالت میں مرے جو لوگوں کو بدنام کرنے والا ہو قیامت کے دن اس کی ناک پر دونوں ہونٹوں کی طرف سے نشان لگا دیا جائے جو اس مجرم کی علامت بن جائے گا۔

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ

بیشک ہم نے انہیں اسی طرح آزما لیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا

اب ان کافروں کی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جھٹلا رہے تھے مثال بیان ہو رہی ہے کہ جس طرح یہ باغ والے تھے کہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کی اور اللہ کے عذابوں میں اپنے آپ کو ڈال دیا، یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ اللہ کی نعمت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی ناشکری یعنی انکار نے انہیں بھی اللہ کی ناراضگی کا مستحق کر دیا ہے، تو فرماتا ہے ہم نے انہیں بھی آزما لیا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جس باغ میں طرح طرح کے پھل میوے وغیرہ تھے،

إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ (١٧)

جبکہ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل اتار لیں گے۔

ان لوگوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ صبح سے پہلے ہی پہلے رات کے وقت پھل اتار لیں گے تاکہ فقیروں مسکینوں اور سائلوں کو پتہ نہ چلے جو وہ آ کھڑے ہوں اور ہمیں ان کو بھی دینا پڑے بلکہ کل پھل اور میوے خود ہی لے آئیں گے،

وَلَا يَسْتَثْنُونَ (١٨)

اور انشاء اللہ نہ کہا۔

اپنی اس تدبیر کی کامیابی پر انہیں غرور تھا اور اس خوشی میں پھولے ہوئے تھے یہاں تک کہ اللہ کو بھی بھول گئے انشاء اللہ تک کسی کی زبان سے نہ نکلا اس لئے ان کی یہ قسم پوری نہ ہوئی،

إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (١٥)

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے یہ تو اگلوں کے قصے ہیں۔

پھر فرمایا اس کی ان شرارتوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ مالدار اور بیٹوں کا باپ بن گیا ہے ہماری اس نعمت کا گن گانا تو کہاں ہماری آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور توہین کر کے کہتا پھرتا ہے کہ یہ تو پرانے افسانے ہیں:

اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ..... عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (۷۴:۱۱،۳۰)

مجھے چھوڑ دے اور اسے جسے میں نے یکتا پیدا کیا ہے اور بہت سامال دیا ہے اور حاضر باش لڑکے دیئے ہیں اور بھی بہت کشادگی دے رکھی ہے پھر بھی اس کی طمع ہے کہ میں اسے اور دوں، ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا یہ تو میری آیتوں کا مخالف ہے میں اسے عنقریب بدترین مصیبت میں ڈالوں گا

اس نے غور و فکر کے اندازہ لگایا یہ تباہ ہو کتنی بری تجویز اس نے سوچی میں پھر کہتا ہوں، یہ برباد ہو اس نے کیسی بری تجویز کی اس نے، پھر نظر ڈالی اور ترش رو ہو کر منہ بنالیا، پھر منہ پھیر کر اینٹھنے لگا اور کہہ دیا کہ یہ کلام اللہ تو پرانا نقل کیا ہوا جادو ہے، صاف ظاہر ہے کہ یہ انسانی کلام ہے، اس کی اس بات پر میں بھی اسے (سقر) میں ڈالوں گا تجھے کیا معلوم کہ (سقر) کیا ہے نہ وہ باقی رکھے نہ چھوڑے بدن پر لپیٹ جاتی ہے اس پر انتیس فرشتے متعین ہیں،

سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ (١٦)

ہم بھی اس کی سونڈ (ناک) پر داغ دیں گے

اسی طرح یہاں بھی فرمایا اس کی ناک پر ہم داغ لگائیں گے یعنی اسے ہم اس قدر رسوا کریں گے کہ اس کی برائی کسی پر پوشیدہ نہ رہے ہر ایک اسے جان پہچان لے جیسے نشاندار ناک والے کو بہ یک نگاہ ہزاروں میں لوگ پہچان لیتے ہیں اور جو داغ چھپائے نہ چھپ سکے،

یہ بھی کہا گیا ہے کہ بدر والے دن اس کی ناک پر تلوار لگے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیامت والے دن جہنم کی مہر لگے گی یعنی منہ کالا کر دیا جائے گا تو ناک سے مراد پورا چہرہ ہوا۔

امام ابو جعفرؒ، ابن جریرؒ نے ان تمام اقوال کو وارد کر کے فرمایا ہے کہ ان سب میں تطبیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ یہ کل امور اس میں جمع ہو جائیں یہ بھی ہو وہ بھی ہو، دنیا میں رسوا ہو سچ مچ ناک پر نشان لگے آخرت میں بھی نشاندار مجرم بنے۔ فی الواقع یہ بہت درست ہے،

لیکن اس روایت کو اکثر راویوں نے مرسل بیان کیا ہے،

ایک اور حدیث میں ہے:

اس نالائق شخص پر آسمان روتا ہے جسے اللہ نے تندرستی دی پیٹ بھر کھانے کو دیا مال وجاہ بھی عطا فرمائی پھر بھی لوگوں پر ظلم وستم کر رہا ہے،

یہ حدیث بھی دو مرسل طریقوں سے مروی ہے،

غرض عُتُلٍّ کہتے ہیں جس کا بدن صحیح ہو طاقتور ہو اور خوب کھانے پینے والا زور دار شخص ہو۔

زَنِيمٍ سے مراد بدنام ہے جو برائی میں مشہور ہو، لغت عرب میں زَنِيمٍ اسے کہتے ہیں جو کسی قوم میں سمجھا جاتا ہو لیکن دراصل اس کا نہ ہو، عرب شاعروں نے اسے اسی معنی میں باندھا ہے یعنی جس کا نسب صحیح نہ ہو،

کہا گیا ہے کہ مراد اس سے اخنس بن شریق ثقفی ہے جو بنو زہرہ کا حلیف تھا اور بعض کہتے ہیں یہ اسود بن عبد یغوث زہری ہے،

عکرمہؒ فرماتے ہیں ولد الزنا مراد ہے،

یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جس طرح ایک بکری جو تمام بکریوں میں سے الگ تھلگ اپنا چِرا ہوا کان اپنی گردن پر لٹکائے ہوئے ہو تو بہ یک نگاہ پہچان لی جاتی ہے اسی طرح کافر مؤمنوں میں پہچان لیا جاتا ہے،

اسی طرح کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن خلاصہ سب کا صرف اسی قدر ہے کہ زَنِيمٍ وہ شخص ہے جو برائی سے مشہور ہو اور عموماً ایسے لوگ ادھر ادھر سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جن کے صحیح نسب کا اور حقیقی باپ کا پتہ نہیں ہوتا ایسوں پر شیطان کا غلبہ بہت زیادہ رہا کرتا ہے،

جیسے حدیث میں ہے:

زنا کی اولاد جنت میں نہیں جائے گی،

اور ایک روایت میں ہے کہ زنا کی اولاد تین برے لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے اگر وہ بھی اپنے ماں باپ کے سے کام کرے۔

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ (١٤)

اس کی سرکشی صرف اس لئے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے یہ حدیث اس وقت سنائی تھی جب آپ سے کہا گیا کہ یہ شخص خفیہ پولیس کا آدمی ہے،

مسند احمد کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بھلا شخص کون ہے؟ لوگوں نے کہا ضرور ارشاد فرمایئے،

فرمایا وہ کہ جب انہیں دیکھا جائے اللہ یاد آ جائے اور سن لو سب سے بدتر شخص وہ ہے جو چغل خور ہو دوستوں میں فساد ڈلوانے والا ہو پاک صاف لوگوں کو تہمت لگانے والا ہو،

ترمذی میں بھی یہ روایت ہے،

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ (١٢)

بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھ جانے والا گنہگار۔

عُتُلٍّ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ (١٣)

گردن کش پھر ساتھ ہی بے نسب ہو

پھر ان بدلوگوں کے ناپاک خصائل بیان ہو رہے ہیں کہ بھلائیوں سے باز رہنے والا اور باز رکھنے والا ہے، حلال چیزوں اور حلال کاموں سے ہٹ کر حرام خوری اور حرام کاری کرتا ہے، گنہگار، بدکردار، محرمات کو استعمال کرنے والا، بدخو، بدگو جمع کرنے والا اور نہ دینے والا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جنتی لوگ گرے پڑے عاجز وضعیف ہیں جو اللہ کے ہاں اس بلند مرتبہ پر ہیں کہ اگر وہ قسم کھا بیٹھیں تو اللہ پوری کر دے اور جہنمی لوگ سرکش متکبر اور خود بین ہوتے ہیں۔

اور حدیث میں ہے:

جمع کرنے والے اور نہ دینے والے بدگو اور سخت خلق،

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا عُتُلٍّ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ کون ہے؟

فرمایا بدخلق خوب کھانے پینے والا لوگوں پر ظلم کرنے والا پیٹو آدمی،

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو نعمتیں ہم نے تجھے دیں جو صراط مستقیم اور خلق عظیم ہم نے تجھے عطا فرمایا اب تجھے چاہئے کہ ہماری نہ ماننے والوں کی تو نہ مان، ان کی تو عین خوشی ہے کہ آپ ذرا بھی نرم پڑیں تو یہ کھل کھیلیں،

اور یہ بھی مطلب ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودان باطل کی طرف کچھ تو رخ کریں حق سے ذرا سا تو ادھر ادھر ہو جائیں،

وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ (۱۰)

اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہنا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے والے کمینے شخص کی بھی نہ مان، چونکہ جھوٹے شخص کو اپنی ذلت اور کذب بیانی کے ظاہر ہو جانے کا ڈر رہتا ہے، اس لئے وہ قسمیں کھا کھا کر دوسرے کو اپنا یقین دلانا چاہتا ہے لگاتار قسموں پر قسمیں کھائے چلا جاتا ہے اور اللہ کے ناموں کو بے موقعہ استعمال کرتا پھرتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مَّهِينٍ سے مراد کاذب ہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں ضعیف دل والا۔

حسنؒ کہتے ہیں حَلَّافٍ مکابرہ کرنے والا اور مَّهِينٍ ضعیف،

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ (۱۱)

بے وقار، کمینہ، عیب گو، چغل خور۔

هَمَّازٍ غیبت کرنے والا، چغل خور جو اِدھر کی اُدھر لگائے تاکہ فساد ہو جائے۔ طبیعتوں میں نفرت اور دل میں دشمنی آجائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں دو قبریں آگئیں آپ نے فرمایا:

ان دونوں کو عذاب ہو رہا اور کسی بڑے امر پر نہیں ایک تو پیشاب کرنے میں پردے کا خیال نہ رکھتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا (بخاری و مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

چغل خور جنت میں نہ جائے گا (مسند)

جیسے اور جگہ ہے:

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ (۵۴:۲۶)

انہیں ابھی کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا اور شیخی باز کون تھا؟

وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (۳۴:۲۴)

ہم یا تم یا تو یقیناً ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں؟

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی یہ حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی،

آپ سے مروی ہے کہ الْمَفْتُونُ مجنون کو کہتے ہیں،

مجاہدؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے،

قتادہؒ وغیرہ فرماتے ہیں یعنی کون شیطان سے نزدیک تر ہے؟

الْمَفْتُونُ کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو حق سے بہک جائے اور گمراہ ہو جائے

أَيِّيكُمُ پر بِ کو اس لئے داخل کیا گیا ہے کہ دلالت ہو جائے کہ آیت فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ میں تضمین فعل ہے تو تقدیری عبارت کو ملا کر ترجمہ یوں ہو جائے گا کہ تو بھی اور وہ بھی عنقریب جان لیں گے اور تو بھی اور وہ سب بھی بہت جلدی الْمَفْتُونُ کی خبر دیں گے واللہ اعلم۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (٧)

بیشک تیرا رب اپنی راہ سے بہکنے والوں کو خوب جانتا ہے، اور وہ راہ یافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے۔

پھر فرمایا کہ تم میں سے بہکنے والے اور راہ راست والے سب اللہ پر ظاہر ہیں اسے خوب معلوم ہے کہ راہ راست سے کس کا قدم پھسل گیا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ (٨)

پس تو جھٹلانے والوں کو نہ مان

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ (٩)

وہ چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوش خلق تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ تو ریشم ہے نہ کوئی اور چیز۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ خوشبو والی چیز میں نے تو کوئی نہیں سونگھی نہ مشک اور نہ عطر۔ (بخاری و مسلم)

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے، آپ کا قد نہ تو بہت لانبا تھا نہ آپ پست قامت تھے،

اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

شمائل ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایات ہے:

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے نہ تو کبھی کسی خادم یا غلام کو مارا نہ بیوی بچوں کو نہ کسی اور کو، ہاں اللہ کی راہ کا جہاد الگ چیز ہے،
- جب کبھی دو کاموں میں آپؐ کو اختیار دیا جاتا تو آپ اسے پسند کرتے جو زیادہ آسان ہو تا ہاں یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ گناہ ہو تو آپ اس سے بہت دور ہو جاتے،
- کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیا ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی اللہ کی حرمتوں کو توڑ تا ہو تو آپ اللہ کے احکام جاری کرنے کے لئے ضرور انتقام لیتے،

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

میں بہترین اخلاق اور پاکیزہ ترین عادتوں کو پورا کرنے کے لئے آیا ہوں۔

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ (٥)

پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے۔

بِأَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ (٦)

کہ تم میں سے کون فتنہ میں پڑا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ اور آپ کے مخالف اور منکر ابھی ابھی جان لیں گے کہ دراصل بہکا ہوا اور گمراہ کون تھا؟

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (۴)

اور بیشک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے۔

تو بہت بڑے خلق پر ہے یعنی دین اسلام پر اور بہترین ادب پر ہے،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اخلاق نبوی کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتی ہیں کہ آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا، سعیدؒ فرماتے ہیں یعنی جیسے کہ قرآن میں ہے صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا، سائل حضرت سعید بن ہشامؒ نے کہا ہاں پڑھا ہے، آپ نے فرمایا بس تو آپ کا خلق قرآن کریم تھا،

مسلم میں یہ حدیث پوری ہے جسے ہم سورہ مزمل کی تفسیر میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

بنو سواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے یہی فرما کر پھر آیت وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ پڑھی، اس نے کہا کوئی ایک آدھ واقعہ تو بیان کیجئے، اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا سنو!

ایک مرتبہ میں نے بھی آپ ﷺ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی، میں نے اپنی لونڈی سے کہا دیکھ اگر میرے کھانے سے پہلے حضرت حفصہؓ کے ہاں کا کھانا آجائے تو تو برتن گرا دینا چنانچہ اس نے یہی کیا اور برتن بھی ٹوٹ گیا، حضور ﷺ بکھرے ہوئے کھانے کو سمیٹنے لگے اور فرمایا اس برتن کے بدلے ثابت برتن تم دو، واللہ اور کچھ ڈانٹا ڈپٹا نہیں (مسند احمد)

مطلب اس حدیث کا جو کئی طریق سے مختلف الفاظ میں کئی کتابوں میں ہے یہ ہے کہ ایک تو آپ ﷺ کی جبلت اور پیدائش میں ہی اللہ نے پسندیدہ اخلاق بہترین خصلتیں اور پاکیزہ عادتیں رکھی تھیں، دوسرے آپ ﷺ کا عمل قرآن کریم پر ایسا تھا کہ گویا احکام قرآن کا مجسم عملی نمونہ ہیں، ہر حکم کو بجالانے اور ہر نہی سے رک جانے میں آپؐ کی حالت یہ تھی کہ گویا قرآن میں جو کچھ ہے وہ آپؐ کی عادتوں اور آپ کے کریمانہ اخلاق کا بیان ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی لیکن کسی دن آپ نے مجھے اُف تک نہیں کہا، کسی کرنے کے کام کو نہ کروں یا نہ کرنے کے کام کر گزروں تو بھی ڈانٹ ڈپٹ تو کجا اتنا بھی نہ فرماتے کہ ایسا کیوں ہوا؟

وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ (۱)

قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کچھ وہ (فرشتے) لکھتے ہیں۔

وَالْقَلَمِ بظاہر مراد یہاں عام قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے جیسے اور جگہ فرمان عالیشان ہے:

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۹۶:۴)

جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا

پس اس کی قسم کھا کر اس بات پر آگاہی کی جاتی ہے کہ مخلوق پر میری ایک نعمت یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں لکھنا سکھایا جس سے علوم تک ان کے رسائی ہو سکے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا: وَمَا يَسْطُرُونَ یعنی اس چیز کی قسم جو لکھتے ہیں،

حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر یہ بھی مروی ہے کہ اس چیز کی جو جانتے ہیں،

سدیؒ فرماتے ہیں مراد اس سے فرشتوں کا لکھنا ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں،

اور مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد وہ قلم ہے جو قدرتی طور پر چلا اور تقدیریں لکھیں آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اور اس قول کی دلیل میں یہ جماعت وہ حدیثیں وارد کرتی ہے جو قلم کے ذکر میں مروی ہیں،

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا۔

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (۲)

تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی تو بحمد اللہ دیوانہ نہیں جیسے کہ تیری قوم کے جاہل منکرین حق کہتے ہیں،

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ (۳)

اور بیشک تیرے لئے بے انتہاء اجر ہے۔

بلکہ تیرے لئے اجر عظیم ہے اور ثواب بے پایاں ہے جو نہ ختم ہو، نہ ٹوٹے نہ کٹے، کیونکہ تو نے حق رسالت ادا کر دیا ہے اور ہماری راہ میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی ہیں ہم تجھے بے حساب بدلہ دیں گے،

فرمایا جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت میں چرتا چگتا رہا تھا،

پوچھا انہیں پانی کونسا ملے گا؟

فرمایا سلسبیل نامی نہر کا،

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد ن سے نور کی تختی ہے،

ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا:

اس سے مراد نور کی تختی اور نور کا حکم ہے جو قیامت تک کے احوال پر چل چکا ہے،

ابن جریجؒ فرماتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ یہ نورانی قلم سو سال کی طولانی رکھتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ن سے مراد دولت ہے اور قلم سے مراد قلم ہے، حسنؒ اور قتادہؓ بھی یہی فرماتے ہیں،

ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ مروی ہے جو ابن ابی حاتم میں ہے کہ اللہ نے ن کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ن یعنی دوات کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا، پھر فرمایا "لکھ" اس نے پوچھا "کیا لکھوں؟"

فرمایا لکھ جو قیامت تک ہونے والا ہے، اعمال خواہ نیک ہوں خواہ بد، روزی خواہ حلال ہو خواہ حرام، پھر یہ بھی کہ کونسی چیز دنیا میں کب جائے گی کس قدر رہے گی، کیسے نکلے گی،

پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر محافظ فرشتے مقرر کئے اور کتاب پر داروغے مقرر کئے، محافظ فرشتے ہر دن ان کے عمل خازن فرشتوں سے دریافت کرکے لکھ لیتے ہیں جب رزق ختم ہو جاتا ہے عمر پوری ہو جاتی ہے اجل آ پہنچتی ہے تو محافظ فرشتے داروغہ فرشتوں کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ آج کے دن کیا سامان ہے؟

وہ کہتے ہیں بس اس شخص کے لئے ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں رہا یہ سن کر یہ فرشتے نیچے اترتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ مر گیا

اس بیان کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم تو عرب ہو کیا تم نے قرآن میں حافظ فرشتوں کی بابت یہ نہیں پڑھا، کہ ہم تمہارے اعمال اصل سے نقل کر لیا کرتے تھے۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر ن یعنی دوات کو پھر قلم سے فرمایا لکھ اس نے پوچھا کیا؟ فرمایا جو ہو رہا ہے اور جو ہونے والا ہے عمل، رزق عمر، موت وغیرہ، پس قلم نے سب کچھ لکھ لیا۔

اس آیت میں یہی مراد ہے، پھر قلم پر مہر لگا دی اب وہ قیامت تک نہ چلے گا،

پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اپنے دوستوں میں تو میں تجھے کمال تک پہنچاؤں گا اور اپنے دشمنوں میں تجھے ناقص رکھوں گا،

مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ مشہور تھا کہ ن سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے،

بغویؒ وغیرہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی موٹائی آسمان وزمین کے برابر ہے اس پر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اس کی پیٹھ پر ساتوں زمینیں اور ان پر تمام مخلوق ہے، واللہ اعلم

اور تعجب تو یہ ہے کہ ان بعض مفسرین نے اس حدیث کو بھی انہی معنی پر محمول کیا ہے جو مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ آگئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور بہت کچھ سوالات کئے کہا کہ میں وہ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا،

بتایئے قیامت کے پہلی نشانی کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ کبھی بچہ اپنے باپ کی صورت میں ہوتا ہے کبھی ماں کی صورت پر؟

حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ باتیں ابھی ابھی جبرائیلؑ نے مجھے بتادیں،

ابن سلام کہنے لگے فرشتوں میں سے یہی فرشتہ ہے جو یہودیوں کا دشمن ہے،

آپ ﷺ نے فرمایا سنو!

- قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ کا نکلنا ہے جو لوگوں کو مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف لے جائے گی
- اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے
- اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر سابق آجائے تو لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جائے تو وہی کھینچ لیتی ہے،

دوسری حدیث میں اتنی زیادتی ہے کہ پوچھا جنتیوں کے اس کھانے کے بعد انہیں کیا ملے گا

Surah Qalam

سورۃ القلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ج
ن

ن

ن جیسے حروف ہجا کا مفصل بیان سورہ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے اس لئے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں، کہا گیا ہے کہ یہاں ن سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ایک محیط عالم پانی پر ہے جو ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے۔

حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :

سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ، اس نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر لکھ ڈال پس اس دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس پر قلم جاری ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے، جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر رکھا مچھلی نے حرکت کی جس سے زمین بھی ہلنے لگی پس زمین پر پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط اور ساکن کر دیا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ (ابن ابی حاتم)

مطلب یہ ہے کہ یہاں ن سے مراد یہ مچھلی ہے،

طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے:

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو اور مچھلی کو پیدا کیا قلم نے دریافت کیا میں کیا لکھوں؟ حکم ہوا ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے، پھر آپ نے پہلی آیت کی تلاوت کی۔

پس ن سے مراد یہ مچھلی ہے اور قلم سے مراد یہ قلم ہے،

ابن عساکر کی حدیث میں ہے:

یعنی اللہ کے سوا اس پر قادر کوئی نہیں،

پھر فرماتا ہے وہی ہے جو اپنے فضل و کرم سے صاف ستھرے ہوئے اور صاف پانی کو زمین پر جاری کرتا ہے جو ادھر سے ادھر تک پھر جاتا ہے اور بندوں کی حاجتوں کو پوری کرتا ہے، ضرورت کے مطابق ہر جگہ بآسانی مہیا ہو جاتا ہے، فالحمدللہ۔

****

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی! ان مشرکوں سے کہو جو اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں کہ تم اس بات کی تمنا کر رہے ہو کہ ہمیں نقصان پہنچے تو فرض کرو کہ ہمیں اللہ کی طرف سے نقصان پہنچایا اس نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر رحم کیا لیکن اس سے تمہیں کیا؟ صرف اس امر سے تمہارا چھٹکارا تو نہیں ہو سکتا؟ تمہاری نجات کی صورت یہ تو نہیں، نجات تو موقوف ہے توبہ کرنے، اللہ کی طرف جھکنے پر، اس کے دین کو مان لینے پر، ہمارے بچاؤ یا ہلاکت پر تمہاری نجات نہیں، تم ہمارا خیال چھوڑ کر اپنی بخشش کی صورت تلاش کرو۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ

آپ کہہ دیجئے کہ وہی رحمٰن ہے۔ ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے

پھر فرمایا ہم رب العالمین رحمٰن و رحیم پر ایمان لا چکے اپنے تمام امور میں ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے، جیسے ارشاد فرمایا:

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (۱۱:۱۲۳)

اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر،

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (۲۹)

تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے۔

اب تم عنقریب جان لوگے کہ دنیا اور آخرت میں فلاح و بہبود کسے ملتی ہے اور نقصان و خسران میں کون پڑتا ہے؟

رب کی رحمت کس پر ہے؟ اور ہدایت پر کون ہے؟

اللہ کا غضب کس پر ہے اور بری راہ پر کون ہے؟

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَعِينٍ (۳۰)

آپ کہہ دیجئے! کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارا (پینے کا) پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے نتھرا ہوا پانی لائے؟

اگر اس پانی کو جس کے پینے پر انسانی زندگی کا مدار ہے زمین چوس لے یعنی زمین سے نکلے ہی نہیں گو تم کھودتے تھک جاؤ تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ہے جو بہنے والا ابلنے اور جاری ہونے والا پانی تمہیں دے سکے؟

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۲۵)

(کافر) پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ظاہر ہو گا اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ)؟

بیان ہوتا ہے کہ کافر جو مر کر دوبارہ جینے کے قائل نہیں وہ اس دوسری زندگی کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں اس کا بیان سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ اچھا پھر وہ وقت کب آئے گا جس کی ہمیں خبر دے رہے ہو اگر سچے ہو تو بتادو کہ اس پراگندگی کے بعد اجتماع کب ہو گا؟

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ (۲٦)

آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے میں تو صرف کھلے طور پر آگاہ کر دینے والا ہوں

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ان کو جواب دو کہ اس کا علم مجھے نہیں کہ قیامت کب قائم ہو گی اسے تو صرف وہی علام الغیوب جانتا ہے ہاں اتنا مجھے کہا گیا ہے کہ وہ وقت آئے گا ضرور، میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں اور اس دن کی ہولناکیوں سے مطلع کر دوں، میرا فرض تمہیں پہنچادینا تھا جسے بحمد للہ میں ادا کر چکا،

فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدَّعُونَ (۲۷)

جب یہ لوگ اس وعدے کو قریب تر پالیں گے اس وقت ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے جسے تم طلب کرتے تھے۔

ارشادِ باری ہوتا ہے کہ جب قیامت قائم ہونے لگے گی اور کفار اسے اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ اب وہ قریب آگئی کیونکہ ہر آنے والی چیز آکر ہی رہتی ہے، گو دیر سویر آئے، جب اسے آیا ہوا پالیں گے، جسے اب تک جھٹلاتے رہے تو انہیں بہت برا لگے گا کیونکہ اپنی غفلت کا نتیجہ سامنے دیکھ لیں گے اور قیامت کی ہولناکیاں بدحواس کئے ہوئے ہوں گی، آثار سب سامنے ہوں گے اس وقت ان سے بطور ڈانٹ کے اور بطور تذلیل کرنے کے کہا جائے گا یہی ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (۲۸)

آپ کہہ دیجئے! اچھا اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے (بہر صورت یہ تو بتاؤ) کہ کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟

اور مؤمن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیدھی راہ پر سیدھا کھڑا ہوا چل رہا ہے راستہ خود صاف اور بالکل سیدھا ہے یہ شخص خود اسے بخوبی جانتا ہے اور برابر صحیح طور پر اچھی چال سے چل رہا ہے،

یہی حال ان کا قیامت کے دن ہو گا کہ کافر تو اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مسلمان عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے جیسے اور جگہ ہے:

احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ (۳۷:۲۲،۲۳)

ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے ان معبودوں کو جو اللہ کے سوا تھے جمع کر کے جہنم کا راستہ دکھادو،

مسند احمد میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضور لوگ منہ کے بل چلا کر کس طرح حشر کئے جائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے پیروں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے،

بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ (۲۳)

کہہ دیجئے کہ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان آنکھیں اور اور دل بنائے تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو۔

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ جب کہ تم کچھ نہ تھے پیدا کیا تمہیں کان آنکھ اور دل دیئے یعنی عقل و ادراک تم میں پیدا کیا لیکن تم بہت ہی کم شکر گزاری کرتے ہو، یعنی اپنی ان قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی حکم برداری میں اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے میں بہت ہی کم خرچ کرتے ہو۔

قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (۲۴)

کہہ دیجئے! کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اس کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔

اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا، تمہاری زبانیں جدا، تمہارے رنگ روپ جدا، تمہاری شکلوں صورتوں میں اختلاف۔ اور تم زمین کے چپہ چپہ پر بسا دیئے گئے، پھر اس پراگندگی اور بکھرنے کے بعد وہ وقت بھی آئے گا کہ تم سب اس کے سامنے کھڑے کر دیئے جاؤ گے۔ اس نے جس طرح تمہیں ادھر ادھر پھیلا دیا ہے، اسی طرح ایک طرف سمیٹ لے گا اور جس طرح اولاً اس نے تمہیں پیدا کیا دوبارہ تمہیں لوٹائے گا۔

مخلوقات کی حاجتیں ضرورتیں ان کی اصلاح اور بہتری کا نگراں اور کفیل میں ہی ہوں،

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ (۲۰)

سوائے اللہ کے تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے کافر تو سراسر دھوکے میں ہیں

اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس عقیدے کی تردید کر رہا ہے جو وہ خیال رکھتے تھے کہ جن بزرگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی امداد کر سکتے ہیں اور انہیں روزیاں پہنچا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سوائے اللہ کے نہ تو کوئی مدد دے سکتا ہے نہ روزی پہنچا سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے، کافروں کا یہ عقیدہ محض ایک دھوکہ ہے۔

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ

اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر تمہیں روزی دے گا

اگر اب اللہ تبارک و تعالیٰ تمہاری روزیاں روک لے تو پھر کوئی بھی انہیں جاری نہیں کر سکتا، دینے لینے پر، پیدا کرنے اور فنا کرنے پر، رزق دینے اور مدد کرنے پر صرف اللہ عزوجل وحدہ لا شريك له کو ہی قدرت ہے۔ یہ لوگ خود اسے دل سے جانتے ہیں، تاہم اعمال میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ (۲۱)

بلکہ (کافر) تو سرکشی اور بدکنے پر اڑ گئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار اپنی گمراہی کج روی گناہ اور سرکشی میں بہے چلے جاتے ہیں ان کی طبیعتوں میں ضد تکبر اور حق سے انکار بلکہ حق کی عداوت بیٹھ چکی ہے، یہاں تک کہ بھلی باتوں کا سننا بھی انہیں گوارا نہیں عمل کرنا تو کہاں؟

أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۲۲)

اچھا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے سر کے بل اوندھا ہو کر چلے یا وہ جو سیدھا (پیروں کے بل) راہ راست پر چلا ہو۔

مؤمن و کافر کی مثال بیان فرماتا ہے کہ کافر کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص کمر کبڑی کر کے سر جھکائے نظریں نیچی کئے چلا جا رہا ہے نہ راہ دیکھتا ہے نہ اسے معلوم ہے کہ کہاں جا رہا ہے بلکہ حیران، پریشان، راہ بھولا اور ہکا بکا ہے۔

فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ (١٧)

پھر تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا

یہاں بھی فرمان ہے کہ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں کو اور ڈراوے کو نہ ماننے کا انجام کیا ہوتا ہے؟

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (١٨)

اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو دیکھو ان پر میرا عذاب کیسا ہوا؟

تم خود دیکھ لو کہ پہلے لوگوں نے بھی نہ مانا اور انکار کر کے میری باتوں کی تکذیب کی تو ان کا کس قدر برا اور عبرتناک انجام ہوا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ ۚ

کیا یہ اپنے پر کھولے ہوئے اور (کبھی کبھی) سمیٹے ہوئے (اڑنے والے) پرندوں کو نہیں دیکھتے

کیا تم میری قدرتوں کا روزمرہ کا یہ مشاہدہ نہیں کر رہے کہ پرند تمہارے سروں پر اڑتے پھرتے ہیں کبھی دونوں پروں سے، کبھی کسی کو روک کر،

مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ

انہیں (اللہ) ہی (ہوا فضا) میں تھامے ہوئے ہے

پھر کیا میرے سوا کوئی اور انہیں تھامے ہوئے ہے؟ میں نے ہواؤں کو مسخر کر دیا ہے اور یہ معلق اڑتے پھرتے ہیں یہ بھی میرا لطف و کرم اور رحمت و نعمت ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا:

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (١٦:٧٩)

کیا انہوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں جن کا تھامنے والا سوائے ذات باری کے اور کوئی نہیں یقیناً اس میں ایمانداروں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ (١٩)

بیشک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مَنَاکِب سے مراد راستے، کونے اور ادھر ادھر کی جگہیں لیتے ہیں، قتادہؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ مراد پہاڑ ہیں۔

حضرت بشیر بن کعب رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی لونڈی سے جس سے انہیں اولاد ہوئی تھی فرمایا کہ اگر مَنَاکِب کی صحیح تفسیر تم بتادو تو تم آزاد ہو، اس نے کہا مراد اس سے پہاڑ ہیں،

آپ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جواب ملا کہ یہ تفسیر صحیح ہے۔

أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ (١٦)

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمان والا تمہیں زمین میں نہ دھنسا دے اور اچانک زمین لرزنے لگے

ان آیتوں میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے لطف ورحمت کا بیان فرما رہا ہے کہ لوگوں کے کفر وشرک کی بناء پر وہ طرح طرح کے دنیوی عذاب پر بھی قادر ہے لیکن اس کا علم اور عفو ہے کہ وہ عذاب نہیں کرتا۔

جیسے فرمایا:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا (٣٥:٤٥)

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی برائیوں پر پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک انہیں مہلت دیئے ہوئے ہے۔ جب ان کا وہ وقت آجائے گا تو اللہ ان مجرم بندوں سے آپ سمجھ لے گا۔

یہاں بھی فرمایا کہ زمین ادھر ادھر ہو جاتی، ہلنے اور کانپنے لگ جاتی اور یہ سارے کے سارے اس میں دھنسا دیئے جاتے،

أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا

یا کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسائے

یا ان پر ایسی آندھی بھیج دی جاتی جس میں پتھر ہوتے اور ان کے دماغ توڑ دیئے جاتے۔

جیسے اور جگہ ہے:

أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا (١٧:٦٨)

یعنی کیا تم نڈر ہو گئے ہو کہ زمین کے کسی کنارے میں تم دھنس جاؤ یا تم پر وہ پتھر برسائے اور کوئی نہ ہو جو تمہاری وکالت کر سکے،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری چھپی کھلی باتوں کا مجھے علم ہے دلوں کے خطروں سے بھی آگاہ ہوں،

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ

کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا

یہ ناممکن ہے کہ جو خالق ہو وہ عالم نہ ہو، مخلوق سے خالق بے خبر ہو،

وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (١٤)

پھر وہ باریک بین اور باخبر ہو۔

وہ تو بڑا باریک بین اور بیحد خبر رکھنے والا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ (١٥)

وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع کر دیا تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کی روزیاں کھاؤ (پیو) اسی کی طرف (تمہیں) جی کر اٹھ کھڑے ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اظہار کرتا ہے کہ زمین کو اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا وہ سکون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے ہل جل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاتی، پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دی ہیں، پانی کے چشمے اس میں جاری کر دیئے ہیں، راستے اس میں مہیا کر دیئے ہیں، قسم قسم کے نفع اس میں رکھ دیئے ہیں پھل اور اناج اس میں سے نکل رہا ہے، جس جگہ تم جانا چاہو جا سکتے ہو، طرح طرح کی لمبی چوڑی سود مند تجارتیں کر رہے ہو، تمہاری کوششیں وہ بار آور کرتا ہے اور تمہیں ان اسباب سے روزی دے رہا ہے،

معلوم ہوا کہ اسباب کے حاصل کرنے کی کوشش توکل کے خلاف نہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے:

اگر تم اللہ کی ذات پر پورا پورا بھرسہ کرو تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ حال واپس جاتے ہیں،

پس ان کا صبح شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا، انہیں آسان کرنے والا وہی رب واحد ہے، اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب تو انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا ان کے لئے لعنت ہو دوری ہو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لوگ جب تک دنیا میں اپنے آپ میں غور نہ کریں گے اور اپنی برائیوں کو آپ نہ دیکھ لیں گے ہلاک نہ ہوں گے (مسند احمد)

اور حدیث میں ہے:

قیامت والے دن اس طرح حجت قائم کی جائے گی کہ خود انسان سمجھ لے گا کہ میں دوزخ میں جانے کے ہی قابل ہوں (مسند احمد)

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (۱۲)

بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور بڑا ثواب ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری دے رہا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں، گو تنہائی میں ہوں جہاں کسی کی نگاہیں ان پر نہ پڑ سکیں تاہم خوف اللہ سے کسی نافرمانی کے کام کو نہیں کرتے نہ اطاعت وعبادت سے جی چراتے ہیں، ان کے گناہ بھی وہ معاف فرما دیتا ہے اور زبردست ثواب اور بہترین اجر عنایت فرمائے گا، جیسے بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے:

سات شخصوں کو جناب باری اپنے عرش کا سایہ اس دن دے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا، ان میں ایک وہ ہے جسے کوئی مال و جمال والی عورت زناکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اسے بھی جو اس طرح پوشیدگی سے صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ لگے

مسند بزار میں ہے:

صحابہؓ نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دلوں کی جو کیفیت آپ کے سامنے ہوتی ہے آپ کے بعد وہ نہیں رہتی، آپ ﷺ نے فرمایا یہ بتاؤ رب کے ساتھ تمہارا کیا خیال رہتا ہے؟ جواب دیا کہ ظاہر باطن اللہ ہی کو ہم رب مانتے ہیں، فرمایا جاؤ پھر یہ نفاق نہیں۔

وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۱۳)

تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ تو سینوں کی پوشیدگی کو بھی بخوبی جانتا ہے

قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ (٩)

وہ جواب دیں گے کہ بیشک آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ تم بہت بڑی گمراہی میں ہو

تو یہ ہائے وائے کرتے ہوئے اپنی جانوں کو پیٹتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ آئے تو تھے لیکن وائے بدنصیبی کہ ہم نے انہیں جھوٹا جانا اور اللہ کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں کو بے راہ بتایا، اب عدل اللہ صاف ثابت ہو چکا ہے اور فرمان باری پورا اترتا ہے جو اس نے فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (١٧:١٥)

اور ہماری سنت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں

یعنی ہم جب تک رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں کرتے

اور جگہ ارشاد ہے:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ (٣٩:٧١)

جب جہنمی جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور داروغہ جہنم ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے تو کہیں گے ہاں آئے تو تھے اور ڈرایا بھی دیا تھا لیکن کافروں پر کلمہ عذاب حق ہو گیا،

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (١٠)

اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔

اب اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہمارے کان ہوتے اگر ہم میں عقل ہوتی تو دھوکے میں نہ پڑے رہتے، اپنے خالق مالک کے ساتھ کفر نہ کرتے، نہ رسولوں کو جھٹلاتے، نہ ان کی تابعداری سے منہ موڑتے،

فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ (١١)

پس انہوں نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا اب یہ دوزخی دفع ہوں (دور ہوں)۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں ستارے تین فائدوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں:

- آسمان کی زینت،
- شیطانوں کی مار
- اور راہ پانے کے نشانات۔

جس شخص نے اس کے سوا کوئی اور بات تلاش کی اس نے رائے کی پیروی کی اور اپنا صحیح حصہ کھو دیا اور باوجود علم نہ ہونے کے تکلف کیا۔ (ابن جریر اور ابن ابی حاتم)

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (٦)

اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے، جہنم اس کا انجام اور جگہ بد سے بد ہے۔

إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ (٧)

جب اس میں یہ ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑے زور سے کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی۔

یہ بلند اور مکروہ گدھے کی سی آوازیں مارنے والی اور جوش مارنے والی جہنم ہے جو ان پر جل بھن رہی ہے

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ

قریب ہے کہ (ابھی) غصے کے مارے پھٹ جائے

اور جوش اور غضب سے اس طرح کچ کچا رہی ہے کہ گویا ابھی ٹوٹ پھوٹ جائے گی،

كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ (٨)

جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا اس سے جہنم کے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا تھا

اور دوزخیوں کو زیادہ ذلیل کرنے اور آخری حجت قائم کرنے اور اقبالی مجرم بنانے کے لئے داروغہ جہنم ان سے پوچھتے ہیں کہ بدنصیبو! کیا اللہ کے رسولوں نے تمہیں اس سے ڈرایا نہ تھا؟

اپنی نظر آسمان کی طرف ڈال اور غور سے دیکھ کہ کہیں کوئی عیب ٹوٹ پھوٹ جوڑ توڑ شگاف و سوراخ دکھائی دیتا ہے؟

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (۴)

پھر دہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل (وعاجز) ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی۔

پھر بھی اگر شک رہے تو دو دفعہ دیکھ لے کوئی نقصان نظر نہ آئے گا گو تو نے خوب نظریں جما کر ٹٹول کر دیکھا ہو پھر بھی ناممکن ہے کہ تجھے کوئی شکست وریخت نظر آئے، تیری نگاہیں تھک کر اور ناکام ہو کر نیچی ہو جائیں گی۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ

بیشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا اور انہیں شیطان کے مارنے کا ذریعہ بنا دیا

نقصان کی نفی کر کے اب کمال کا اثبات ہو رہا ہے تو فرمایا آسمان دنیا کو ہم نے ان قدرتی چراغوں یعنی ستاروں سے بارونق بنا رکھا ہے جن میں بعض چلنے پھرنے والے ہیں اور بعض ایک جا ٹھہرے رہنے والے ہیں،

پھر ان کا ایک اور فائدہ بیان ہو رہا ہے کہ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ ان سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے ان میں سے شعلے نکل کر ان پر گرتے ہیں یہ نہیں کہ خود ستارہ ان پر ٹوٹے۔ واللہ اعلم

وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (۵)

اور شیطانوں کے لئے ہم نے (دوزخ جلانے والا) عذاب تیار کر دیا۔

شیاطین کی دنیا میں یہ رسوائی تو دیکھتے ہی ہو آخرت میں بھی ان کے لئے جلانے والا عذاب ہے۔ جیسے سورہ صافات کے شروع میں ہے:

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ

لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَى وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (۳۷:۶،۱۰)

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی ہے اور سرکش شیطانوں کی حفاظت میں انہیں رکھا ہے،

وہ بلند و بالا فرشتوں کی باتیں سن نہیں سکتے اور چاروں طرف سے حملہ کر کے بھگا دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے

اگر کوئی ان میں سے ایک آدھ بات اچک کر لے بھاگتا ہے تو اس کے پیچھے چمکدار تیز شعلہ لپکتا ہے۔

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (۲:۲۸)

وہ پھر تمہیں مار ڈالے گا اور پھر زندہ کر دے گا،

ابن ابی حاتم میں ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بنی آدم موت کی ذلت میں تھے۔ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے حیات کا گھر بنا دیا پھر موت کا اور آخرت کو جزا کا پھر بقاء کا۔

لیکن یہی روایت اور جگہ حضرت قتادہؒ کا اپنا قول ہونا بیان کی گئی ہے، لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحسن عَمَلًا آزمائش اس امر کی ہے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے؟ اکثر عمل والا نہیں بلکہ بہتر عمل والا،

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ (۲)

اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔

وہ باوجود غالب اور بلند جناب ہونے کے پھر عاصیوں اور سرتاب لوگوں کے لئے، جب وہ رجوع کریں اور توبہ کریں معاف کرنے اور بخشنے والا بھی ہے۔

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۖ

جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔

جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ایک پر ایک، گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک پر ایک ملا ہوا ہے، لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ درمیان میں جگہ ہے اور ایک دوسرے کے اوپر فاصلہ ہے،

زیادہ صحیح یہی قول ہے، اور حدیث معراج وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے،

مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَاوُتٍ ۖ

(تو اے دیکھنے والے) اللہ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا

پروردگار کی مخلوق میں تو کوئی نقصان نہ پائے گا بلکہ تو دیکھے گا کہ وہ برابر ہے، نہ ہیر پھیر ہے نہ مخالفت اور بے ربطی ہے، نہ نقصان اور عیب اور خلل ہے۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ (۳)

دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے۔

Surah Al Mulk

سورة المُلك

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱)

بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی تعریف بیان فرمارہاہے اور خبر دے رہاہے کہ تمام مخلوق پر اسی کا قبضہ ہے جو چاہے کرے۔ کوئی اس کے احکام کو ٹال نہیں سکتا اس کے غلبہ اور حکمت اور عدل کی وجہ سے اس سے کوئی باز پرس بھی نہیں کر سکتا وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔

پھر خود موت وحیات کا پیدا کرنا بیان کر رہاہے،

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحسن عَمَلاً

جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے کام کون کرتا ہے،

اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیاہے جو کہتے ہیں کہ موت ایک وجودی امر ہے کیونکہ وہ بھی پیدا کردہ شدہ ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا تاکہ اچھے اعمال والوں کا امتحان ہو جائے جیسے اور جگہ ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ (۲:۲۸)

تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو؟ تم تو مردہ تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کر دیا،

پس پہلے حال یعنی عدم کو یہاں بھی موت کہا گیا اور اس پیدائش کو حیات کہا گیا اسی لئے اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے

All Praises be to Almighty Allah

&

Peace be upon His Prophet Muhammad

Edited & Compiled by

Lt Col (R)
Muhammad Ashraf Javed

© Copy Rights:
Zahid Javed Rana, Abid Javed Rana
Lahore, Pakistan
www.quran4u.com

سورۃ نمبر	سورۃ فہرست	صفحہ نمبر
۶۷	سورۃ الْمُلْك	۶
۶۸	سورۃ الْقَلَم	۲۰
۶۹	سورۃ الْحَاقَّة	۴۶
۷۰	سورۃ الْمَعَارِج	۶۵
۷۱	سورۃ نُوح	۸۳
۷۲	سورۃ الْجِنّ	۹۵
۷۳	سورۃ الْمُزَّمِّل	۱۱۱
۷۴	سورۃ الْمُدَّثِّر	۱۲۷
۷۵	سورۃ الْقِيَامَةِ	۱۴۷
۷۶	سورۃ الدَّهْر	۱۶۵
۷۷	سورۃ الْمُرْسَلَات	۱۸1

جزو(پاره) انتیس(۲۹)